ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
مُلتان

ربیع الاوّل: ۱۴۱۸ھ
جولائی: ۱۹۹۷ء
۷

تاریخِ وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
نہایت اہم موضوع پر منفرد تحقیق

لعنت بر پدرِ فرنگ
سید عطاء المحسن بخاری
کا
فکر انگیز کالم

احرار
اور تحریکِ ردِّ قادیانیت

حکیم غوث محمّد جام پوری
(تحریکِ آزادی کا گمنام مجاہد)

مقامِ صحابہ

◎

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، رسالت مآب ﷺ کی دعوت پر قائم شدہ معاشرے کے ابتدائی فرد تھے۔ انہیں صرف دعوتِ رسول ہی نے تیار نہیں کیا تھا بلکہ ان کی تربیت میں نگاہِ رسول بھی شامل تھی۔

جو لوگ ان مقدس ہستیوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ رسالت مآب ﷺ کی ہیٹی (خاکم بدہن) کرتے ہیں کہ اللہ کا آخری پیغمبر اپنے رفقاء کو بنانے اور پہچاننے سے قاصر رہا۔ اس طرح وہ لوگ حضور ﷺ کی نبوت پر بالارادہ حملہ آور ہوتے ہیں۔

اگر رسالت مآب ﷺ اپنے رفقاء کے دل میں قرآن نہ اتار سکے تو پھر کون رہ جاتا ہے جس کے متعلق یہ کہنا ممکن ہے کہ اس کی بدولت فلاں عہد کے انسانوں نے اپنے تئیں اسلام کے سپرد کیا تھا۔

—— امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

ربیع الاول: ۱۴۱۸ھ
جلد ۸ جولائی: ۱۹۹۷ء
شمارہ ۷ قیمت: ۱۲ روپے

* زرِ تعاون سالانہ اندرون ملک ۱۲۰ روپے بیرون ملک ۱۰۰۰ روپے پاکستانی *

مجلس ادارت

* زیرِ سرپرستی: حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
* رئیس التحریر: سید عطاء المحسن بخاری
* مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

رُفقاء فکر

◎ ابنِ امیرشریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

◎ حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ ◎ سیدخالد مسعود گیلانی
◎ پروفیسرخالد شبیر احمد ◎ مولانا محمد مغیرہ
◎ مولانا محمد اسحٰق سلیمی ◎ محمد عمرفاروق
◎ عبداللطیف خالد ◎ ساغراقبالی
◎ ابوسفیان تائب

رابطہ : دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان: فون: 511961

تحریک تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرار اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات:	اداریہ	مدیر	۳
سیرتِ طیبہ:	تاریخِ وفات نبوی ﷺ	پروفیسر محمد طاہر الہاشمی	۴
قلم برداشتہ:	جناب وزیر اعظم، لعنت بر پدرِ فرنگ	سید عطاء المحسن بخاری	۹-۱۱
تاریخ و تذکرہ:	تذکرہ القائدین	حضرت مولانا عبدالحق چوہان رحمہ اللہ	۱۴
تحقیق و تبصرہ:	"الاستدراک" (تبصرہ بر کتاب واقعہ کربلا اور مراسم عزاء)	حضرت مولانا عبدالحق چوہان رحمہ اللہ	۱۸
ردقادیانیت:	احمدیہ موومنٹ، انگریز یہودی تعلقات	ترجمہ: ڈاکٹر سبطین لکھنوی	۲۲
" " " " :	احرار اور تحریک ردقادیانیت	پروفیسر خالد شبیر احمد	۲۷
" " " " :	اور قادیانیت کی تبلیغ رک گئی	ڈاکٹر دین محمد فریدی	۳۸
" " " " :	فرنگی سامراج اور قادیانیت کے خلاف مجلس احرار اسلام کی خدمات	محمد شریف فاروق	۳۹
تبرکات اکابر:	حضرت امیر شریعت، مولانا محمد گل شیر شہید، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور ماسٹر تاج الدین انصاری رحمھم اللہ کے آٹو گراف		۴۲
حاصل مطالعہ:	کچھ بھولی بسری باتیں	علامہ محمد عبداللہ	۴۳
شخصیت:	حکیم غوث محمد جام پوری مرحوم (تحریک آزادی کا ایک گمنام مجاہد)	آغا شورش کاشمیری	۴۸
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات انکی	ساغر اقبالی	۵۳
حسنِ انتقاد:	تبصرہ کتب	ذ- بخاری	۵۵
تجزیہ:	دو قومی نظریہ - آغاز اور انجام	محترم عبدالواحد بیگ	۵۸
ترحیم:	مسافرانِ عدم	ادارہ	۶۰

سرکلر بنام ماتحت مجالس احرار اسلام پاکستان ۱۳

شاعری: ________________ ۶۱

نعت: سید کاشف گیلانی، سید عطاء المحسن بخاری، نظمیں: احرار کارکنوں سے خطاب، پروفیسر خالد شبیر احمد غزل: ثاقب چوہان، قاضی حسین احمد کے نام، راحت ملک

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف

سودی نظام کے حق میں حکومتی اپیل کی واپسی

وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو فیصلہ دیا تھا کہ ..... "یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے پورے ملک کے معاشی ڈھانچے کو سود سے پاک کردیا جائے" ..... تب میاں نواز شریف کی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیل بنچ میں ایک اپیل دائر کی تھی حکومت کے اس اقدام کے خلاف ملک بھر میں احتجاج ہوا اور اپیل واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ آج پورے پانچ سال گزرنے کے بعد میاں نواز شریف پھر پاکستان کے وزیر اعظم ہیں۔ قوم کیلئے یہ خبر خوش آئند ہے کہ حکومت نے اپنی یہ اپیل واپس لے لی ہے اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیل بنچ سے استدعا کی ہے کہ....

(۱) قرآن و سنت کی روشنی میں ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے حکومت کی رہنمائی کی جائے۔

(۲) سپریم کورٹ کا بڑا بنچ تشکیل دیا جائے۔ (۳) عبوری احکامات جاری کیے جائیں۔

(۴) بیرونی ممالک اور عالمی اداروں کے قرضوں کی سود سمیت ادائیگی ضروری ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں پاکستان کو نادہندہ قرار دے دیا جائے گا اور قرضے بھی نہیں ملیں گے۔ حتیٰ کہ ہم اشیائے خوردنی بھی درآمد نہ کرسکیں گے اس سلسلہ میں حکومت کی رہنمائی کی جائے۔

(۵) غیر سودی نظام کے نفاذ کے لئے حکومت کو دو سال کی مدت دی جائے۔

علاوہ ازیں وزیر اعظم کے پریس سیکرٹری صدیق الفاروق نے ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ.....

(۱) وزیر اعظم نواز شریف پہلے سودی نظام کے حق میں تھے اور نہ اب ہیں۔

(۲) حکومت ملک کے متعدد قوانین کو جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہیں تبدیل کرنے اور ان پر نظر ثانی کرنے کا عزم رکھتی ہے۔

حکومت کا تازہ فیصلہ یقیناً قابلِ تحسین اور قومی امنگوں کا ترجمان ہے۔ لیکن دو سال کی مدت کا مطالبہ درست نہیں۔ مرحوم ضیاء الحق کے دور میں اسی مقصد کے حصول کے لئے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس نے اپنی رپورٹ کے ذریعے مکمل متبادل غیر سودی نظام کا خاکہ تجویز کیا تھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی اپنی سفارشات بھی اس سلسلہ میں مکمل رہنمائی کرتی ہیں۔ مزید برآں موجودہ حکومت کی طرف سے سینیٹر راجہ ظفر الحق کی سربراہی میں قائم کردہ کمیٹی نے بھی اپنی سفارشات حکومت کو پیش کردی ہیں۔ اور اس رپورٹ کے تحت کمیٹی نے بارہ ربیع الاوّل کو غیر سودی نظام کے نفاذ کی تجویز بھی دی ہے۔

ہمیں حکومت کی مشکلات کا خوب اندازہ ہے مگر اس حوالے سے مذکورہ بالا رپورٹوں اور سفارشات کی روشنی میں انقلابی اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بیرونی قرضوں کی ادائیگی تو یقیناً طے شدہ معاہدوں کی روشنی میں ہوگی۔ لیکن اندرونِ ملک سودی نظام کا فوری خاتمہ اور آئندہ بیرونی سودی قرضے نہ لینے کا فیصلہ حکومت کے لئے قطعاً مشکل نہیں۔ جناب نواز شریف نے اپنے سابقہ عہد میں بھی تو بیرونی قرضوں کے سلسلہ میں "کشکول" توڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب کیا امر مانع ہے؟ اگر وہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کو مکمل طور پر نافذ کردیں اور زکوٰۃ کی وصولی یقینی بنادیں تو ہمارا ایمان ہے کہ غیر ملکی قرضے اتر جائیں گے، ملکی معیشت میں غیر معمولی استحکام آئے گا اور پاکستان خوشحالی، ترقی اور امن گہوارہ بن جائے گا۔

جناب نواز شریف اسلامی قوانین کے نفاذ کا عزم اور دعویٰ رکھتے ہیں۔ ان کے پاس جتنی اکثریت اور قوت ہے وہ یہ سب کچھ آسانی سے کرسکتے ہیں۔ اللہ کرے وہ یہ سب کچھ کر گزریں۔

#

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی (حویلیاں۔ ہزارہ)

تاریخ وفات نبوی ﷺ

ارباب تاریخ و سیر آنحضرت ﷺ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات دونوں کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ جمہور کے نزدیک بارہ ربیع الاول تاریخ ولادت بھی ہے اور تاریخ وفات بھی جبکہ اہل تحقیق کے نزدیک بارہ ربیع الاول نہ تو تاریخ ولادت ہے اور نہ ہی تاریخ وفات۔

تاریخ ولادت:

تمام مؤرخین کا تین باتوں پر اتفاق ہے۔

۱۔ ولادت کا سال، عام الفیل" تھا۔ ۲۔ ولادت کا مہینہ ربیع الاوّل ۳۔ یوم ولادت پیر تھا۔ لیکن تاریخ ولادت کے بارے میں مؤرخین کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

ربیع الاول کی ۲، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲ اور اہل تشیع کے نزدیک ۱۷ تاریخ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

تاریخ کی تعیین میں چار اقوال مشہور ہیں .... دوسری، آٹھویں، دسویں، بارھویں، حافظ مغلطائی نے دوسری تاریخ کو اختیار فرما کر دوسرے اقوال کو مرجوع قرار دیا ہے مگر مشہور قول بارھویں تاریخ کا ہے۔ یہاں تک کہ ابن البزاز نے اس پر اجماع نقل کر دیا ہے اور اسی کو کامل ابن اثیر میں اختیار کیا گیا ہے اور محمود پاشا مصری نے جو نویں تاریخ کو بذریعہ حسابات اختیار کیا ہے یہ جمہور کے خلاف بے سند قول ہے اور حسابات پر بوجہ اختلاف مطالع ایسا اعتماد نہیں ہو سکتا کہ جمہور کی مخالفت اس کی بناء پر کی جائے (سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۲۰) یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے آگے چل کر تاریخ وفات نبوی ﷺ کے متعلق طریق حساب کو ترجیح دے کر جمہور کے قول کو رد فرمایا ہے۔

اہل تحقیق کے نزدیک صحیح اور مستند قول یہ ہے کہ ۹ ربیع الاوّل تاریخ ولادت ہے۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی صاحب نے اسی قول کو بدلائل ثابت کیا ہے اور بارہ ربیع الاول کی تائید میں روایات کو کمزور کہا ہے۔ (قصص القرآن جلد چہارم ص ۲۵۶)

جلیل المرتبہ ائمہ دین، محدثین اور مؤرخین نے ۹ ربیع الاول کی تاریخ کو صحیح اور اثبت کہا ہے۔ چنانچہ حمیدی، عقیل، یونس بن یزید ابن حزم، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابو الخطاب ابن دحیہ، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، بدر الدین عینی علامہ شبلی نعمانی، قاضی سلیمان منصور پوریؒ اور دیگر محققین نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں کہ

نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی میں دو شنبہ (پیر) کا دن خصوصیت رکھتا ہے۔ ولادت، نبوت، ہجرت، وفات سب اسی دن ہوئی ہیں۔ اس سے مختلف تاریخوں کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔ (رحمۃ للعلمین جلد اوّل ص ۴۰)

ولادت کے سلسلہ میں "یوم الاثنین" (پیر) کا ذکر صحیح مسلم میں بھی ہے ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔ باب کم اقام بمکۃ عن ابن عباسؓ۔

فلکیات کے مشہور مصری عالم اور محقق محمود پاشا نے حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر اپنے زمانہ تک سورج گرہن و چاند گرہن کا صحیح حساب کر کے پوری تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سن ولادت باسعادت میں کسی حساب سے بھی پیر کا دن بارہ ربیع الاول کو نہیں آتا۔ بلکہ ۹۔ ربیع الاوّل ہی کو آتا ہے۔

اس لیئے بلحاظ قوت و صحت روایات اور باعتبار حساب ہیئت ولادت مبارک کی مستند تاریخ ۹ ربیع الاوّل ہے۔

تاریخ وفات:

محدثین اور ارباب تاریخ کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ماہ ربیع الاوّل میں ۱۱ھ پیر کے دن ہوئی لیکن انہوں نے تاریخ وفات کے متعلق مختلف اقوال (۱، ۲، ۴، ۱۰، ۱۲) پیش کیئے ہیں۔ جمہور کے نزدیک بارہ ربیع الاوّل ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک تاریخ وفات ۲۸ صفر اور ۱۲ ربیع الاوّل ہے ۲۸، صفر کی تاریخ کو تحفۃ العوام ص ۶۴ پر منحوس تاریخ کے طور پر نقل کیا گیا ہے کہ اس میں رسالت مآب ﷺ کی وفات ہوئی۔ اکثر شیعہ نے اسی تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی کتاب الحجۃ ص ۲۲۷ پر تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاوّل نقل کی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ سن ہجری کا استعمال حضور علیہ السلام کی رحلت کے چھ سال بعد حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں شروع ہوا اور پہلی مرتبہ یوم الخمیس ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۷ھ مطابق ۱۲ جولائی ۶۳۸ء کو اس کا نفاذ ہوا۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل عرب میں کوئی باقاعدہ کیلنڈر رائج نہیں تھا۔ عرب اپنی مرضی سے مہینوں میں ردو بدل کر لیا کرتے تھے اور بعض اوقات سال کے تیرہ یا چودہ مہینے بنا دیا کرتے تھے۔ اعلان نبوت سے قبل عرب میں "نسئ" کا عمل جاری رہا لیکن وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کس سال میں "نسئ" کی گئی۔ قرآن نے اس عمل "نسئ" کو زیادتی قرار دیا۔ اس سے باآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ تاریخ وفات کی تعیین میں (جبکہ نسئ کا خاتمہ ہو چکا تھا، آپ ﷺ ایک عظیم انقلاب بپا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پیچھے جاں نثاروں کی ایک عظیم جماعت بھی چھوڑ چکے تھے) یہ کچھ اختلاف ہے تو تاریخ ولادت بارہ ربیع الاوّل کس طرح قطعی ہو سکتی ہے؟ محققین کے نزدیک بارہ ربیع الاوّل تاریخ وفات کی روایت قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔ ابو القاسم سہیلی اپنی مشہور کتاب روض الانف میں دعویٰ کرتے ہیں کہ سن ۱۱ھ ربیع الاول کا مہینہ اور پیر کا دن بالاتفاق متعین ہونے کے بعد حسابی اعتبار سے وفات کی تاریخ کس طرح ۱۲ ربیع الاوّل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں اور مورخین محدثین کا ان پر اجماع ہے اوّل یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنا آخری حج ۱۰ھ میں اور وقوف عرفہ ۹ ذی الحج جمعہ کے دن کیا ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الایمان باب زیادۃ الایمان ونقصانہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے) اور دوم یہ کہ حضور علیہ السلام کی وفات پیر کے دن ہوئی امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس عبادت کے لیے تشریف لے گئیں تو انہوں نے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کس دن وفات پائی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ پیر کے دن (صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ باب موت یوم الاثنین)

ان دو حقیقتوں کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی حساب سے بھی ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو پیر کا دن نہیں آتا۔ کیونکہ جمتہ الوداع اور وفات کے درمیان صرف تین ماہ یعنی محرم، صفر اور ربیع الاوّل کے چاند طلوع ہوئے ہیں۔ تینوں ماہ کے چاند کی زیادہ سے زیادہ آٹھ صورتیں بن سکتی ہیں اور ان میں سے کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاوّل کو پیر کا دن نہیں آتا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱)

۹۔ ذی الحج جمعہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم محرم ہفتہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم صفر پیر کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل بدھ۔ اور ۱۲ ربیع الاوّل اتوار

(۲)

۹ ذی الحج جمعہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم محرم ہفتہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم صفر پیر ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل۔ منگل اور ۱۲ ربیع الاوّل ہفتہ

(۳)

۹ ذی الحج جمعہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم محرم ہفتہ ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم صفر اتوار ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل۔ پیر اور ۱۲ ربیع الاوّل۔ جمعہ

(۴)

۹ ذی الحج جمعہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم محرم ہفتہ ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم صفر اتوار کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل۔ منگل اور ۱۲ ربیع الاوّل ہفتہ

(۵)

۹ ذی الحج جمعہ ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم محرم جمعہ ناقص مہینہ (انتیس دن کا)
یکم صفر ہفتہ ناقص مہینہ (انتیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل اتوار اور ۱۲ ربیع الاوّل۔ جمعرات

(۶)

۹ ذی الحج جمعہ ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم محرم جمعہ ناقص مہینہ (اُنتیس دن کا)
یکم صفر ہفتہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل۔ پیر اور ۱۲ ربیع الاوّل۔ جمعہ

(۷)

۹ ذی الحج جمعہ ناقص مہینہ (انتیس دن کا)
یکم محرم جمعہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم صفر اتوار کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل۔ منگل اور ۱۲ ربیع الاوّل۔ ہفتہ

(۸)

۹ ذی الحج جمعہ ناقص مہینہ (انتیس دن کا)
یکم محرم جمعہ کامل مہینہ (تیس دن کا)
یکم صفر اتوار ناقص مہینہ (انتیس دن کا)
یکم ربیع الاوّل۔ پیر۔ اور ۱۲ ربیع الاوّل جمعہ

تین ماہ کے چاند کی مذکورہ بالا آٹھ صورتیں ہی ممکن تھیں اور حسن اتفاق کہ ان آٹھوں صورتوں میں ۱۲ ربیع الاوّل کو پیر کا دن نہیں آتا۔ جبکہ حضور ﷺ کی وفات کا پیر کے دن ہونا یقینی ہے لہذا ۱۲ ربیع الاوّل والی روایت جسے اگرچہ جمہور مؤرخین اور واعظین و مقررین نے اختیار کر لیا ہے خلاف حقیقت ہے۔

اسی طرح اہل تشیع کی دونوں روایات بھی (۲۸ صفر اور ۱۲ ربیع الاوّل) غلط ٹھہرتی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی وفات کا پیر کے دن ہونا یقینی ہے (فروع کافی جلد ثالث کتاب الروضہ) اور ان آٹھوں صورتوں میں نہ تو ۲۸ صفر کو پیر کا دن آتا ہے اور نہ ہی ۱۲ ربیع الاوّل کو محدثین و مؤرخین نے تاریخ وفات کے بارے میں یکم اور دو ربیع الاوّل

کے اقوال بھی ذکر کیئے ہیں اور ان دونوں تاریخوں میں پیر کا دن آتا ہے ۲ربیع الاوّل کے قول کو ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف لوط بن یحیٰ نے روایت کیا ہے اس روایت کو اگرچہ قدیم مؤرخین یعقوبی و مسعودی نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک کلبی اور ابو مخنف دونوں دروغ گو اور کذاب تھے۔ جبکہ مسعودی اور یعقوبی کا تعلق اہل تشیع کے ساتھ ہے۔

زرقانی میں دو ربیع الاوّل کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

تاریخ وفات میں مشہور ہے کہ بارہ ربیع الاول کو واقع ہوئی اور یہی جمہور مؤرخین لکھتے چلے آئے ہیں لیکن حساب سے کسی طرح یہ تاریخ وفات نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بھی یقینی اور متفق علیہ امر ہے کہ وفات دوشنبہ کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کا حج ۹۔ ذی الحج روز جمعہ کو ہوا۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے ۱۲ربیع الاوّل کو روز دوشنبہ نہیں پڑتا۔ اس لیئے حافظ ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ تاریخ وفات ۲ربیع الاوّل ہے۔ کتابت کی غلطی سے ۲ کا ۱۲ اور عربی عبارت میں ثانی شہر ربیع الاوّل کا ثانی عشرِ ربیع الاوّل بن گیا۔ حافظ مغلطائی نے بھی دو ربیع الاوّل کی تاریخ کو ترجیح دی ہے

(سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۱۴۴)

جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ ۲ربیع الاوّل کی روایت کے راوی کلبی اور ابو مخنف دونوں کذاب تھے لیکن راویوں کی دروغ گوئی کے قطع نظر اگر ۲ربیع الاوّل کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو مذکورہ آٹھ صورتوں میں سے صرف ایک مرتبہ ۲ربیع الاوّل کو پیر کا دن آتا ہے وہ اس طرح کہ محرم، صفر اور ربیع الاوّل تینوں مہینے ناقص یعنی انتیس دن کے تسلیم کر لیئے جائیں جیسا کہ صورت نمبر۵ میں ہے جو خلاف اصول ہے۔

تاریخ وفات کے سلسلہ میں یکم ربیع الاوّل کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے امام سہیلی نے "روض الانف" میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے امام موصوف ہی نے سب سے پہلے درایتہً اس نکتے کو دریافت کیا تھا کہ ۱۲ربیع الاوّل کو پیر کا دن نہیں آتا۔ یکم ربیع الاوّل کو پیر کا دن مذکورہ آٹھ صورتوں میں سے صورت نمبر۳، نمبر۶، اور نمبر۸ میں آتا ہے اور یہ تینوں صورتیں کثیر الوقوع ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ جلد دوم صفحہ ۱۶۰ پر مفصل بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ وفات نبوی ﷺ کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ہے۔ کتب تفسیر میں تحت آیت

الیوم اکملت لکم دینکم.........

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول ۹ ذی الحج ۱۰ھ سے روز وفات تک ۸۱ دن ہیں۔ اس حساب سے بھی یکم ربیع الاوّل کو ۸۱ دن پورے ہو جاتے ہیں ذی الحج کے باقی ماندہ ۲۱ دن (بشمول ۹ ذی الحج) + محرم کے ۲۹ دن + صفر کے تیس دن + ربیع الاول کا ا دن (۲۱+۲۹+۳۰+۱)=۸۱ دن ابو نعیم نے "دلائل" میں بسند یکم ربیع الاوّل تک تاریخ وفات نقل کی ہے سیارہ ڈائجسٹ رسول ﷺ نمبر جلد اوّل صفحہ ۴۲۶ پر بھی تاریخ وفات یکم ربیع الاوّل تحریر ہے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ تمام روایات کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قیاس صحیح سے قریب تر

روایت خوارزمی کی ہے جس میں تاریخ وفات یکم ربیع الاول منقول ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ تینوں مہینوں میں انتیس اور تیس دن کے فرق سے بھی صحیح ہو جاتی ہے۔(قصص القرآن جلد چہارم صفحہ ۵۱۷)

جناب مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواریؒ لکھتے ہیں کہ:

ہمیں دوسری ربیع الاوّل کے یوم وفات ہونے پر اصرار نہیں لیکن بارھویں کے غلط ہونے پر ضرور اصرار ہے۔ کیونکہ بارھویں کو یوم وفات ماننے کے بعد دو مسلمات حدیث و تاریخ میں سے ایک چھوڑنا پڑے گا۔ یا تو یہ کہیئے کہ حجتہ الوداع جمعہ کو نہیں ہوا یا پھر یہ کہیئے کہ دو شنبہ کو حضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی تھی۔ یہ دونوں باتیں صحیح تسلیم کرنے کے بعد بارھویں ربیع الاوّل کو تاریخ وفات ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ۹ ذی الحج کو جمعہ کا دن ہونا اور پیر کا دن یوم وفات ہونا ایسے مسلمہ و مصدقہ حقائق ہیں جن کے خلاف کوئی شہادت موجود نہیں اور ان باتوں کے تسلیم کرنے کے بعد نہ بارہ ربیع الاوّل تاریخ وفات ہو سکتی ہے اور نہ ہی اٹھائیسویں صفر۔(مقالات صفحہ ۳۹۳)

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی تاریخ وفات یکم ربیع الاوّل ۱۱ھ ہے۔ اس کے برعکس بارہ ربیع الاوّل اور ۲۸ صفر کی روایات غیر مستند، غیر معتبر اور خلاف حقیقت ہیں۔

ان اریدالاالاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الا باللہ

*

باذوق قارئین کے مطالعہ کیلئے بہترین کتابیں

هڈالی ضلع خوشاب میں

ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کا تازہ شمارہ

مجلس احرار اسلام کا تمام لٹریچر
علماء کرام کی تقاریر کے کیسٹ

اور ہر قسم کی علمی، تاریخی اور ادبی کتابوں کا مرکز

مولوی محمد قاسم

مکتبہ رحمانیہ، نزد مین بازار، ھڈالی، ضلع خوشاب

اہل ذوق کیلئے خوشخبری

اہل سنت اور غیر مقلدین کے مابین اختلافی مسائل مثلاً رفع یدین تقلید، آمین، فقہ و حدیث، قرآۃ خلف الامام اور دیگر تحقیقی اشتہارات پتہ ذیل سے مل سکتے ہیں۔ قیمت فی اشتہا ۵/۔ روپے ڈاک خرچ بذمہ خریدار

اسامہ عزیز حنفی، فیصل مسجد فیصل کالونی لین نمبر ۳ ڈھیج بھاٹہ راولپنڈی

جناب وزیر اعظم..........!

جناب محمد نواز شریف صاحب! اس وقت جیسے آپ "قومی قیادت" کے منصب پر فائز ہیں، آج سے چودہ سو پندرہ برس پہلے ایک بوڑھے میاں، منحنی سے گویا مشت استخوان، منصب امامت و امارت پر فائز ہوئے تھے اور انہوں نے بڑے ہی قوی و جوان و رعنا الفاظ میں قیامت تک کی امت مسلمہ کے اماموں اور امراء کو ایک اصل الاصول عطا فرمایا تھا۔ یہ تھے مسجد نبوی کے امام و خلیفتہ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا تھا....

"اے لوگو! میں تم سے برتر نہیں ہوں۔ میں تمہارا والی بنایا گیا ہوں۔ اگر میں بھلے کام کروں تو میری اعانت کرو اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک قوی ہے، جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلادوں اور تم میں قوی میرے پاس کمزور ہے، جب تک میں اس سے حق نہ لے لوں (ان شاء اللہ) جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے، اللہ اسے ذلیل کردیتا ہے اور جب بے حیائی عام ہوجائے تو بلائیں عام ہوجاتی ہیں۔ جب تک میں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کروں، تم میری اطاعت کرو، جب میں اللہ و رسول کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت مت کرو" (البدایہ ص ۳۰۱ ج ۶

جناب وزیر اعظم!

شاید آپ نے بھی یہ خطبہ پڑھا ہو یا سنا ہو، اسے اپنی تنہائیوں میں پڑھیں اور اپنے قلب کو گرمائیں اور عمل کی وادی میں اسی کلیے پر عمل کرتے ہوئے اتر جائیں۔ آپ کو آئینہ ایام میں بہت کچھ نظر آنے لگے گا۔ آپ یہ شفاف آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو نظر آئیگا کہ.....

"ملازمین حکومت غیر حاضر ہیں، یعنی کام چور نوالہ حاضر ہیں۔ سرکاری ملازمین ------ بجلی چور، گیس چور، تیل چور، ٹیکس دہندگان سے رشوت لے کر کروڑوں روپے کا گھپلا کرنے والے ہیں۔ لٹیروں کے سرغنے ہیں۔ نادہندگان پیپلز پارٹی میں تھے تو مسلم لیگ میں بھی ہیں اور لوٹ کھسوٹ میں برسرپیکار ہیں۔ جعلی ڈگریاں بانٹنے والے، محکمہ تعلیم کے "علمی مجرم" بھی سرکاری ملازم ہیں۔ امتحانات میں بوٹی مافیا سے مک مکا کرنے والے وڈیروں کے فرزندان ناہموار و کج نہاد ہیں۔ یعنی سفلگان خوش پوش ہیں۔ قبضہ گروپ..... انتظامیہ کے باعث جاہل طاقت وروں کا غول خسیس اب بھی سرگرم ہے۔ منشیات فروش، شباشب منازل طے کرنے والے، ناجائز اسلحہ لانے والے، بتوں کے پجاری، کرپٹ انتظامیہ، کرپٹ سیاست باز.....کعبے کے راندے ہوئے بت ہیں۔ کرپٹ بیورو کریسی بولہبی مزرعین کی دھتکاری ہوئی کھیپ ہے۔ کرپٹ وزراء مجرموں کے اکابرو سرپرست ہیں۔ "جھولی چک" خواص کے پالتو جانور، بے وقتے، بے وقعت، بے جرات اور بے مروت ہیں۔ ان صفات و اعمال کے حامل لوگوں نے اس ملک کا ستیاناس کیا ہے اور اب بھی یہی

آپ کے موالی ہیں۔ ایک چھوٹی سی غیر موثر اقلیت آپ کے پاس صاف ستھری ہے، کیا اس سے انقلاب آئیگا؟ انقلاب تو کہتے ہی اسے ہیں جب مکمل تبدیلی آئے۔ اور "جمہوری روایات" سے تو ایسا ممکن نہیں۔ ان "اسرائیلی روایات" کے جلو میں اور ان کی آڑ میں تو وہ بھی آئیں گے جن سے آپ یہ دھرتی پاک کرنا چاہتے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ الیکشن پر اٹھنے والے اخراجات اور پھر جمہوری ذرائع سے "کمانے والے" ایک قدم بھی ایمان و یقین اور دیانت و امانت کا نہیں اٹھا سکتے۔ چہ جائیکہ ملکی ترقی کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے اس ملک کی زینت ہوں۔

ہمارے ملک میں مجموعی طور پر عقل و شعور والے اور دیانت دار افراد کی کمی ہے۔ ہنر والے آٹے میں نمک بھی نہیں اور جو ہیں وہ بھی "مس یوز" ہو رہے ہیں۔ نااہل لوگ سرمائے کے زور پر ہر جگہ قابض ہیں بلکہ غاصب ہیں۔ ان مکروہ افراد و روایات کی تبدیلی تو اسلامی اصول و روایات ہی سے ممکن ہے۔ کیا آپ ان اصولوں اور روایات کو اپنائیں گے؟ کیا ہمارے دیس میں ان پر عمل ہوگا؟ ایسے مکروہ چہروں سے ہمارا دیس پاک ہو جائے گا۔

اگر تو آپ کی الیکشن کے دنوں کی تقریروں اور بیانات پر انحصار کریں تو چاند ابھرتا محسوس ہوتا ہے۔ اور اگر پچاس سالہ روایات کی تاریکیوں اور مہیب سناٹوں پر نظر دوڑائی جائے تو خاکم بدہن کچھ بھی نہیں! تاریخ میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو تاریخی تبدیلیاں لائیے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بہ فکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار ربوہ

دارالکفر والارتداد ربوہ میں مسلمانوں کا عظیم تعلیمی و تبلیغی مرکز

ڈیڑھ سو سے زائد طلباء و طالبات قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بخاری پبلک سکول میں پرائمری تک طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ پچاس سے زائد طلباء رہائش پذیر ہیں۔ مدرسہ کی توسیع کے لئے مزید دو کنال زمین کی خرید اشد ضروری ہے۔ درسگاہوں اور مسجد اور مسجد کی تعمیر تکمیل کے مراحل میں ہے۔ اپنے عطیات، زکواۃ و صدقات اس کارِ خیر میں دے کر اجر حاصل کریں۔

ترسیل زر کے لئے:۔

سید عطاء المہیمن بخاری، منتظم مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار ربوہ ضلع جھنگ۔ فون: (04524)211523

لعنت بر پدرِ فرنگ

ایمل کانسی کی گرفتاری پر ہمارے بہت باغیرت پاکستانیوں کو پاکستانیت کا مروڑ اٹھا خصوصاً اپوزیشن سیاست دانوں کو (حتیٰ کہ نواب زادہ نصراللہ خان کو بھی) بہت بے پناہ سیاسی ہارٹ پلپٹیشن ہوئی۔ قلبی آہٹوں میں بھونچال آگیا۔ دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ کلیجہ منہ کو آگیا۔ بے چارے غم کے مارے "مسکرانے" لگے۔ ہانپتے کانپتے ہوئے حکومت کی نامقبولیت کا راگ گانے لگے اور پاکستان بھر کے نامقبولوں بلکہ نامعقولوں اور ہم نواؤں کیساتھ بے نظیر دربار میں درباری کے بول اٹھانے لگے اور سروں میں تانیں ملانے لگے۔ دل ملے نہ ملے، زبانیں ملانے لگے اور "مولانا بالفضلِ اولانا" کو بلانے لگے...... آجاوے تینوں بی بی وی اڈیک دی...... تینوں اکھیاں لڈیک دیاں...... نالے سوہناں وی اڈیک دیاں!

پاکستانیت کے غم میں ہلکان ہونے والے مچھندر صرف اور صرف اقتدار کی تبدیلی بلکہ مسلسل تبدیلی کیلئے ٹراتے رہتے ہیں اور سارے کے سارے کساں مارے ایک ہی "وائٹ ہول" سے گزرنے والے "بلیک ہارس" ہیں۔ ایک ہی "وائٹ ہاؤس" کے دریوزہ گر ہیں اور وفاداری بہ شرطِ استواری کے اجیر! قارئین کرام اب آج سے پینتیس سال پہلے کے دور میں جھانکیے تو آپ کو جناب جنرل محمد ایوب خان صاحب مرحوم اسی بساطِ اقتدار پر برا جمان نظر آئیں گے...... بہ ہر پہلو جلوہ گر، بہ ہر سو جلوہ ساماں، بلکہ فتنہ ساماں! مگر ان کے عہد آسائش میں سیاست بازوں کی وہ درگت بنی کہ چوکڑی بھول گئے۔ کہتے ہیں امریکہ نے ایوب کو زوال آشنا کیا۔ ایک چینی کے ایشو پر "ایوب کتا ہائے ہائے" ہو گئی۔ یحییٰ خان قزلباش آیا تو حیوانی لذتوں، عیش کوشیوں اور حرص و آز نے اپنے مہیب جبڑے کھول دیئے۔ بیوٹی کے رنگ بدل گئے۔ گجرات سے نیویارک تک کی رذالتوں کے ڈانڈے مل گئے۔ مشرقی پاکستان دو قومی نظریئے سمیت برہم پتر میں غرق ہوا۔ اسکے جاندار لاشے پر ذوالفقار علی بھٹو ناچتے اچھلتے کودتے تشریف لائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان امریکہ نے ڈبویا۔ یحییٰ کو امریکہ کا پسندیدہ آدمی کہا گیا۔ لوگ کہتے ہیں بھٹو کو بھی امریکہ نے ایوبی کوکھ سے بڑے دکھوں سے نکالا۔ بھٹو ایوب کو ڈیڈی کہا کرتے تھے۔ بھٹو نے فوج کو زیر کرنے، اسکے اکڑے ہوئے کالر کو مروڑنے کیلئے بہت سے سیاسی سودے کیے۔ اسلامی سوشلزم کا پرچار کر کے اصل سوشلزم کو ٹھکانے لگانے کا فریضہ لوا کیا۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں یحییٰ تو صرف مہرہ تھا، اصل جناب بھٹو تھے۔ کہ ادھر مجیب قتل ہوا ادھر بھٹو پھانسی کے تختے پر جھول گیا اور "ندا" غائب ہو گیا۔ جناب ضیاء الحق آئے تو آ گئے دن بہار کے۔ مولویوں پیروں فقیروں کی بن آئی۔ ایوب کا سبق، ضیاء الحق نے آموختے کی صورت میں سنایا۔ مولویوں، پیروں، فقیروں کو آسائشیں، راحتیں اور قربتیں عطا ہوئیں۔ گیارہ سال میں اسلام نہ آیا، مولوی آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولوی اور اسلام لازم و ملزوم نہیں پھر خصوصاً پاکستانی مولوی......ع

ان سے تو ہو گی رونق ہر گز نہ گلستاں کو

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی امریکی بہار تھی کہ 1988ء میں پی پی، بیبے سمیت نازل ہوئی۔ نواز شریف ابھرے، پھر

ڈوبے، بے نظیر ابھری، اڑی، اڑن طشتری بن گئی۔ لوگ کہتے ہیں پاکستان میں "اہل ایمان" یونہی ڈوبتے، نکلتے، ابھرتے اور غروب ہوتے ہیں۔ یہ سب امریکی کھیل ہے۔ اسی کھیل کھیل میں یوسف رمزی کو امریکہ کے سپرد کیا گیا۔ اعظم طارق کو امریکہ نے مانگ لیا۔ سب کچھ پاکستان سے مانگ لیا مجھکو مانگ کر! اور بھی پانچ آدمی امریکہ کو پسند تھے اور وہ بھی مانگے تھے مگر معلوم نہیں وہ کیوں نہ دیئے۔ نواز شریف نے گلگت میں دینی علوم حاصل کرنے والے 30 طلباء کو چین کے حوالے کیا، اس نے تیس کے تیس گولیوں سے بھون ڈالے۔ نواز شریف چین کی بانسری بجاتے رہے۔ "گجی گجی لومڑی تے...... داسواد"۔ چین نے اور بھی مطالبہ کر دیا۔

لوگ اب کچھ نہیں کہتے۔ گونگے، بہرے، لنجے، لنڈے، ٹنڈے نظر آتے ہیں۔ بے نظیر و بے ضمیر یا حقیر و نجیر اب کچھ نہیں کہتے۔ تف ہے تمہاری پاکستانیت پر! حیف ہے تمہاری رولڈ گولڈ روحانیت پر! لعنت بر پدر فرنگ۔

سیدنا معاویہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی (قیمت -/200 روپے)

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
فون: 511961

عطیہ خواجہ غریب شاہ

اصلی ہڈی جوڑ گولی

رجسٹرڈ 675

انسان کی ہڈی ٹوٹ جائے تو گولی کے تین حصے کرکے روزانہ نہار منہ مکھن کے ساتھ کھائیں اور پانچ دن تک نمک سے پرہیز کریں۔ اور اگر کسی جانور کی ہڈی ٹوٹ جائے تو یہی گولی مکمل جوار، مکئی یا جو کے آٹے میں کھلائیں نمک، گندم اور چنے کے آٹے سے پرہیز کرائیں۔ نیز ہمارے ہاں بواسیر اور ہمہ قسم کے درد کی گولیاں بھی دستیاب ہیں۔ نوٹ: مدرسہ کے لئے تعاون کی اپیل جاتی ہے۔

پتہ: صاحبزادہ قاری محمد طیب میانہ (اولاد سلطان عبدالحکیم)
مسجد حاجی بشیر احمد محلہ سلطانیہ عبدالحکیم، تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال

سرکلر بنام ماتحت مجالسِ احرار اسلام پاکستان

احبابِ احرار .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلس احرار اسلام کے مختلف مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے ۱۲ - ارکانِ شوریٰ، ۱۷ جون ۱۹۹۷ء کو ہنگامی طور پر ملتان میں اکٹھے ہوئے، مختلف امور پر اظہارِ خیال کیا اور ہنگامی حالات کے ماتحت طے کیا کہ پیش آمدہ حالات کی بنا پر سید عطاء المحسن بخاری کو مجلسِ احرار اسلام پاکستان کا عارضی منتظم (کنوینر) مقرر کر دیا جائے۔

واضح رہے کہ "کنوینر" کا عہدہ غیر دستوری ہے مگر جماعت کے وسیع تر مفاد و حالات کے پیشِ نظر مجلسِ شوریٰ کے ماتحت "منتظم" کو یہی نام دیا گیا ہے۔

کنوینر شپ کی مدت ۱۷ جون ۱۹۹۷ء سے فروری ۱۹۹۸ء تک ہوگی۔ کنوینر اس عرصہ میں انتخابات کی تکمیل کرا کے مجلس شوریٰ کو رپورٹ پیش کرے گا۔

بذریعہ ھٰذا تمام احرار کارکنوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اپنے انتخابات جلد از جلد مکمل کر کے کنوینر کے نام براہِ راست ارسال کریں۔ تاکہ دستوری کارروائی پوری کی جاسکے۔

والسلام

آپ کے تعاون کا منتظر

سید عطاء المحسن بخاری

عارضی منتظم مجلس احرار اسلام پاکستان

سید عطاء المحسن بخاری

عارضی منتظم (کنوینر) مجلسِ احرار اسلام پاکستان

رابطہ و ترسیل انتخابات کے لئے:

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

فون: 061-511961

"تذکرۃ القائدین"

مجلس احرار اسلام پاکستان کے سابق امیر حضرت مولانا عبدالحق چوہان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت دینی اور علمی حلقوں میں نہایت معتبر اور مستند مانی جاتی ہے۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت میں علمی، تحقیقی اور تاریخی موضوعات پر ان کے رشحات قلم شائع ہوتے رہے ہیں۔ وہ ایک مشفق و مہربان انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور حلم دونوں نعمتیں ودیعت فرمائی تھیں۔ راقم نے فروری ۱۹۸۸ء میں ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا اجراء کیا تو مولانا مرحوم نے از راہِ شفقت و محبت ادارہ سے مستقل تحریری تعاون کا آغاز کیا اور اپنے انتقال اپریل ۱۹۹۷ تک ان کی نوازشات جاری رہیں۔ زیر نظر نامکمل مضمون حضرت کی آخری تحریر ہے جو انتقال سے ایک روز قبل ۲۸ اپریل کی صبح گھر پر لکھ کر رکھ گئے کہ باقی واپس آکر مکمل کروں گا۔ واحسرتا! اے کاش! مولانا اس مضمون کو مکمل فرما جاتے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قابل اشاعت دو اور مضامین ابھی ادارہ کے پاس محفوظ ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ صحبت میں ہم انہیں بھی قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور خدمت دینی قبول فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین) مدیر

بعثت نبوی سے قبل کرۂ ارضی کا قطعۂ معمورہ انسانی آبادی سے تو آباد تھا لیکن یہ انسانی ہیاکل روح انسانیت سے عاری تھے۔ انسانوں کی یہ آبادی تہ بہ تہ ضلالت و گمراہی کے پھیلے ہوئے بادلوں کے اندھیرے میں مستور تھی۔ رحمت ایزدی نے اس سسکتی ہوئی اور ذلت میں ڈوبی ہوئی انسانیت کی بعثت نبوی کی شکل میں دستگیری کی۔ یہ صبحِ سعادت سرزمین مکہ پر نمودار ہوئی جس کو مرکز علم ہونے کی اہمیت حاصل ہے۔ اس وقت عرب اعتقادی طور پر متنوع گمراہیوں میں مبتلیٰ تھے۔ ان کے اعتقاد میں ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تھیں۔ جنات کی الوہیت کا اعتقاد بھی تھا اور ساتھ ہی اوہام پرستی اور کہانت کی وباء عام تھی۔ بت پرستی اور دختر کشی میں تو عرب شہرت یافتہ قوم کی حیثیت میں تھے۔ اور باہم خانہ جنگی اور طویل محاربات کے باعث درندہ صفات سے متصف ہو چکے تھے اور عرب کے گردو نواح میں واقع دو عظیم سلطنتیں یعنی مجوس فارس اور عیسائی روم۔ یہ دونوں سلطنتیں اپنے نظام جور و ستم کے باعث ہلاکت اور فنائیت کے کنارے پہنچ چکی تھیں۔ ایران کی ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلالت کو مسلسل بغاوتوں اور سیاسی بدامنیوں اور انتشار نے تہ و بالا کر دیا تھا۔ بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امراء کی عیاشیوں نے صداقت و اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے فنا کر دیا تھا۔ اور روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی اور ہندوستان کے تمدن کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ اس ظلمتِ دیجور میں آفتاب نبوت طلوع ہوا۔

پیغمبر ﷺ کی دعوت حق کو جن سعید روحوں نے قبول کیا۔ سرزمین مکہ باوجود مامن ہونے کے ان کے لئے تنگ کر دی گئی۔ صنادید قریش اپنی طاقت کے مطابق ان افراد پر جو ظلم کر سکتے تھے انہوں نے وہ تمام حربے

استعمال کیے۔ لیکن جو لوگ بادۂ توحید اور محبت رسول ﷺ سے سرشار ہو چکے تھے۔ کفار کے مظالم کی یہ ترشی ان کے نشہ اتارنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ خداوند قدوس کی اجازت سے کچھ فرزندان توحید نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر حبشہ کی جانب ہجرت کی، بعد میں جب یثرب کے چند افراد نے اس دعوت حق کو قبول کیا پھر اپنے وطن میں جا کر اشاعت دین کا فریضہ سرانجام دیا ان کی تبلیغ سے مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت نے مکہ میں آکر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر شرف بیعت کیا۔ ان کی واپسی پر نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کے لئے ان کے ہمراہ کردیا۔ حضرت مصعب نے تعلیم و تبلیغ دین کا فریضہ ایسے احسن طریقہ سے ادا کیا کہ یثرب کے اکثر قبائل میں شمع دین کی روشنی پھیل گئی۔ موسم حج کے موقعہ پر حضرت مصعب مسلمانوں کا ایک قافلہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مشرکین مکہ اور یثرب کے کفار سے چھپ کر اس قافلہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ ﷺ کو اپنے ہاں ہجرت کر کے تشریف لانے کی دعوت پیش کی۔ اس وقت کے حالات کے مطابق اسلام قبول کرنا اور نبی کریم ﷺ کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دینا کن خطرناک نتائج کا حامل اور کن مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس کی وضاحت حضرت عباس بن عبادہ انصاری علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے جو کہ انہوں نے بیعت کرتے وقت انصار سے کہا تھا۔

یامعشر الخزرج هل تدرون علام تبا یعون ہذا الرجل ؟

قالو انعم قال انکم تبایعونه علي حرب الاسود والاحر من الناس(سیرت ہشام ص ۴۴۶ ج ۱)

ترجمہ: تمہیں معلوم ہے کہ تم اس شخص کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہمیں معلوم ہے۔ حضرت عباس بن عبادہ نے کہا یہ بیعت عرب اور عجم کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

انصار کی دعوت اور خداوند قدوس کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے یثرب کی جانب ہجرت کی اور آپ ﷺ کے قدوم میمونت کے باعث یثرب مدینۃ النبی کے معزز لقب سے موسوم ہوا۔ مدینہ میں جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ تو آپ کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ یہود مدینہ کی اسلام کے خلاف سازش، منافقین جو کہ مار آستین ہونے کے باعث خطرناک دشمن تھے۔ نبی کریم ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے بحفاظت مدینہ منورہ آگئے تو قریش کی آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو یہ خط لکھا:

ان کفار قریش کتبوا الی ابن ابی و من کان یعبد معه الاوثان من الاوس و الخزرج و رسول الله صلی الله علیه وسلم یومئذ بالمدینه قبل وقعته بدر انکم آویتم صاحبنا وانا نقسم بالله لنقاتلنه او لنخرجنه اولنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلکم و نستبیح نسائکم فلما بلغ ذالک عبدالله ابن ابی و من کان معه من عبده الاوثان۔ اجتمعو القتال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقهم فلما بلغ ذالک النبی الله صلی الله علیه وسلم لقیهم فقال لقد بلغ و عید قریش منکم المبالغ ماکانت تکید کم باکثر مما تریدون ان تکیدوا به انفسکم - تریدون ان تقاتلوا ابنائکم و اخوانکم - فلما سمعوا ذالک من النبی الله صلی الله علیه وسلم تفرقوا(ابو داؤد ص ۴۲۳ ج ۲ کتاب الخراج و الفیٔ والا ماره باب فی خبر النفیر)

ترجمہ: کفار قریش نے عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک ساتھی جو کہ قبیلہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کردو یا ان کو مدینہ سے نکال دو۔

ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے لڑنے والوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لائیں گے۔ جب قریش کی یہ دھمکی عبداللہ بن ابی اور مشرکین کو پہنچی تو وہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ جب آپ ﷺ کو منافقین کی اس شرارت کا علم ہوا تو آپ ﷺ ابن ابی کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم کو قریش کی دھمکی پہنچی ہے۔ اور اسی باعث تم لڑائی کے لئے تیار ہوگئے ہو۔ لیکن تمہیں معلوم ہو کہ یہ نقصان تم کو ہی پہنچے گا۔ کیا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے۔ ابن ابی کو آپ ﷺ کی یہ بات سمجھ آگئی اس لئے وہ لوگ منتشر ہوگئے۔

جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو پھر انہوں نے اس طرح کا دھمکی آمیز خط یہود مدینہ کو لکھا۔ ان حالات کی بناء پر مدینہ میں ہر وقت دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ہتھیار بند ہو کر جاگتے ہوئے رات گزارتے تھے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "لباب النقول فی اسباب النزول" میں یہ روایت نقل کی ہے۔

عن ابی ابن کعب لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ المدینہ وآوتہم الانصار رمتہم العرب من قوس واحدہ و کانوا لایبیتون الا بالسلاح و لا یصبحون الافیہ (ص ۱۶۳)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ جب مدینہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہوگئے۔ صحابہ صبح تک ہتھیار باندھ ہو کر سوتے تھے۔

یہ وہ حالات وواقعات تھے جن کے باعث نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر کو عملی جامہ پہنایا نہ صرف اپنی ذات اور مہاجرین کے لئے، بلکہ انصار مدینہ کی بھی۔ کیونکہ انہوں نے ہی تو آپ ﷺ کو اور مہاجرین مکہ کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ یہود مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا۔ جس کو کتب سیر میں "میثاق مدینہ" کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ قریش کو تو تولیت کعبہ کے باعث قبائل عرب میں ایک گونہ برتری اور سیادت حاصل تھی۔ اس لئے مکہ سے مدینہ تک پھیلے ہوئے قبائل قریش کے زیر اثر تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ قریش کی عداوت کے باعث یہ قبائل بھی آپ کے مخالف تھے۔ قیام امن، تبلیغ دین اور حفاظت خود اختیاری کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے مختلف اوقات میں متعدد صحابہ کی زیر قیادت مختلف جماعتوں کو اطراف مدینہ کی جانب روانہ کیا۔ اسطرح کی جماعت کو اصطلاح سیرت میں لفظ "سریہ" کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان سرایا اور بعوث کے مختلف مقاصد تھے۔ بعض سرایا کی غرض تکمیل معاہدات و تبلیغ اسلام تھی اور بعض کی حملہ آور دشمن کے احوال کی دریافت اور بعض کی غرض قیام امن کے لئے سرحدات کی حفاظت تھی۔ اسکے علاوہ بھی ان مہمات میں دینی اغراض مضمر تھیں۔ اسی طرح کی مہمات میں شرف قیادت کا سرمایہ افتخار جن حضرات کو حاصل ہوا تھا۔ سیر و تاریخ کی کتب میں ان تعداد کوئی چالیس کے قریب ہے۔ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں (۱) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (۲) حضرت عبیدہ بن حارث (۳) حضرت سعد بن ابی وقاص (۴) حضرت عبداللہ بن جحش (۵) حضرت محمد بن مسلمہ (۶) حضرت زید بن حارثہ (۷) حضرت ابوسلمہ مخزومی (۸) حضرت عبداللہ بن انیس (۹) حضرت عکاشہ بن محصن (۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح (۱۱) حضرت عبدالرحمن بن عوف (۱۲) حضرت علی بن ابی طالب (۱۳) حضرت ابوبکر صدیق (۱۴) حضرت عبداللہ بن رواحہ (۱۵) حضرت جابر الفہری (۱۶) حضرت غالب بن عبداللہ

(۱۷) حضرت عمر الفاروق (۱۸) حضرت اسامہ بن زید (۱۹) حضرت بشیر بن سعد (۲۰) حضرت شجاع بن وہب (۲۱) حضرت جعفر بن ابی طالب (۲۲) حضرت کرز بن جابر (۲۳) حضرت عمرو بن العاص (۲۴) حضرت عمرو بن امیہ (۲۵) حضرت خالد بن ولید (۲۶) حضرت سعد بن زید (۲۷) حضرت قطبہ (۲۸) حضرت عبداللہ بن حذافہ (۲۹) حضرت ضحاک بن سفیان (۳۰) حضرت ابو قتادہ (۳۱) حضرت عینیہ بن حصین (۳۲) حضرت ابو جندل (۳۳) حضرت ابن ابی العوجاء (۳۴) حضرت کعب بن عمیر (۳۵) حضرت عمیر (۳۶) حضرت عاصم (۳۷) حضرت منذر بن عمرو (۳۸) حضرت عبداللہ بن ضحاک (۳۹) حضرت ابو بصیر (۴۰) حضرت سالم

اس فہرست میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بعض مہمات میں تن تنہا تشریف لے گئے تھے۔ سرایا کی تعداد میں علماء سیرت کا اختلاف ہے۔ ابن ہشام نے ان کی تعداد اڑتیس بیان کی ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے اس سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ در حقیقت اس اختلاف کی مدار ان مہمات کی حیثیت میں ہے۔ کہ بعض علماء کے نزدیک سریہ کی تعریف میں توسع ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک تعداد میں اضافہ ہوجائے گا۔ اور بعض علماء کے نزدیک سریہ کے تحقق کے لئے ایک خاص تعداد کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تک وہ تعداد نہیں ہوگی سریہ کا مصداق متحقق نہیں ہوگا اس لئے ان کے نزدیک سرایا کی تعداد کم ہوجائیگی۔

۱۔ سیریہ سیف البحر کے قائد سیدنا ابو عمارہ حمزہ بن عبدالمطلب الہاشمی رضی اللہ عنہ

ہجرت نبوی کے بعد اب مدینہ کی حیثیت ایک نوزائیدہ مملکت کے دارالحکومت کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فراہمیٔ اخبار کے نظام کو ہمیشہ مستحکم بنیادوں پر قائم رکھا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب اسی فریضہ کی سرانجام دہی کے لئے مکہ میں مقیم تھے۔ وہ ہمیشہ خفیہ طریقہ سے نبی کریم ﷺ کو مکہ کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ جو کہ ابو جہل کی زیر نگرانی سفر کررہا تھا۔ فلاں وقت جہینیہ کے علاقہ سے اس کا گزر ہوگا۔ جہینیہ کا علاقہ چونکہ تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اس لئے اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ نبی کریم ﷺ سے قریش کی اس تجارتی شاہراہ کی بندش کے لئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تیس سواروں پر مشتمل ایک سریہ روانہ کیا۔ اس سریہ کی روانگی ہجرت کے بعد ساتویں مہینے ماہ رمضان میں ہوئی۔ اس سریہ کے تمام شرکاء مہاجرین تھے۔ یہ مسلمانوں کے پہلے سپاہی تھے۔ جو اسلام کی راہ میں جاں فروشی کے لئے نکلے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے دست اقدس سے نیزے کے ایک سرے پر سفید کپڑا باندھ کر پرچم تیار کیا اور حضرت حمزہ کے حوالہ کیا۔ یہ پرچم تاریخ اسلام میں سب سے پہلا پرچم ہے۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام میں سب سے پہلے سالار لشکر ہیں۔ کوہستان جہینیہ کی ایک بستی عیص کی طرف اس لشکر کا رخ تھا۔ جو کہ ساحل سمندر پر واقع تھا۔ مشرکین مکہ کا تجارتی قافلہ جونہی عیص پر پہنچا۔ مسلمان بھی پہنچ گئے۔ کفار نے مقابلہ کی تیاری شروع کردی۔ مسلمان بھی تیار ہوگئے۔ مجدی بن عمرو جہینی کا رئیس تھا۔ اس نے کوشش کرکے لڑائی ٹال دی اور اعلان کیا۔

"جیسے قریش ویسے مسلمان دونوں ہمارے دوست ہیں"

رئیس مکہ کے سامنے علاقہ کے ایک خود مختار حکمران کا یہ اعلان درحقیقت سیاسی طور پر مشرکین کی شکست کا اعلان تھا اس رئیس نے یہ اعلان کرکے اسلامی ریاست کے وجود کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس لحاظ سے مجدی پہلا حکمران ہے جس نے مدینہ کی آزاد حکومت کو تسلیم کرلیا۔ مسلمانوں کی یہ پہلی مہم کامیابی سے ہمکنار ہو کر مدینہ واپس آئی۔

الاستدراک

اس وقت کتاب واقعہ کربلا اور مراسم عزا" تالیف مولانا سعید الرحمن علوی رحمہ اللہ ہمارے پیش نظر ہے۔ مولانا مرحوم بلند پایہ عالم، محقق اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جذبہ محبت سے سرشار تھے۔ زیر نظر کتاب ان کی رحلت کے بعد ہی منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ مولانا نے اپنی اس کاوش و محنت سے صدیوں سے سبائی روایات کے سنگریزوں میں پوشیدہ جواہر حقائق سے نقاب کشائی کی ہے۔ اس کتاب میں مولانا کا موضوع سخن واقعہ کربلا، مختصر احوال یزید، واقعہ حرہ، بے حرمتی کعبہ، بنوہاشم و امیہ اور مراسم عزاء جیسے اہم موضوعات ہیں۔ مولانا نے حقائق کی روشنی میں ان موضوعات پر سیر حاصل بصیرت افروز بحث کی ہے۔ اس وقت ہمارا مقصود نظر کتاب پر تبصرہ کرنا نہیں بلکہ مولانا کے ایک سہو کی اصلاح مقصود ہے۔ کتابچ کے صفحہ نمبر ۱۸ پر یہ عنوان ہے۔

"پہلی صدی ہجری کے چند اہم شہدائے مظلومین"

اس عنوان کے تحت جن شہداء کرام کے اسماء گرامی کا تذکرہ ہے ان میں سے پہلا نام یہ ہے "اول شہید اہل بیت، عمزاد رسول اللہ ﷺ سیدنا عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب مولانا کو اس شہید گرامی قدر کے ابن حارث ہونے کی بناء پر یہ اشتباہ ہو گیا ہے کہ یہ شہید بدر نبی کریم ﷺ کے عمزاد ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے بڑے چچا کا نام حارث تھا۔ اور عبدالمطلب کی کنیت بھی اسی کے نام پر ابوالحارث تھی۔ اس لحوق اشتباہ میں مولانا علوی مرحوم منفرد نہیں بلکہ مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کو بھی اس حارث کے نام سے اشتباہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "امیر المومنین سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب، شخصیت و کردار" میں غزوۂ بدر کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے اس آواز پر سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب" علی بن ابی طالب اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب میدان جنگ میں آئے (ص ۷۶) اور اس طرح محقق شہیر مولانا محمد نافع (محمدی شریف جھنگ والے) بھی اس اشتباہ میں مبتلی ہیں۔ چنانچہ وہ بھی اپنی کتاب "سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ میں غزوہ بدر کے واقعات میں رقم طراز ہیں۔۔۔۔۔"

تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اپنے چچازاد اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اور اپنے عمزاد علی بن ابی طالب کو رزمگاہ میں نکلنے کے لئے ارشاد فرمایا" ۵۰، ۵۱ حالانکہ یہ حارث وہ نہیں۔ بلکہ یہ حارث بن المطلب ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے عمزاد ہیں۔ اس خاندان کے نسب کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ نبی کریم ﷺ کے جد امجد کے مورث اعلیٰ قصی بن کلاب کے چار فرزند تھے۔ عبد مناف، عبدالدار، عبدالعزیٰ، عبد قصی، پھر عبد مناف کہ جسکا اصلی نام مغیرہ بن قصی تھا، کے چار فرزند تھے۔ ہاشم بن عبد مناف، عبد شمس بن عبد مناف، المطلب بن عبد مناف۔ ان تینوں کی والدہ کا نام عاتکہ بنت مرہ تھا۔ نوفل بن عبدالمناف، اسکی والدہ کا نام واقدہ بنت عمرو تھا۔ یہی المطلب باپ کے پہلوٹے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد "المطلبی" کہلاتی ہے۔ عبیدہ بن حارث اسی المطلب کے پوتے تھے۔ پھر اسی حارث بن المطلب کے تین بیٹے تھے اور تینوں صحابی تھے۔ عبیدہ بن حارث جو کہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے اور ان کا لقب شیخ المہاجرین تھا اور ان کی مرقد مبارک سے

خوشبو مہکتی تھی۔ دوسرے طفیل بن الحارث اور تیسرے حصین بن الحارث، یہ دونوں بھائی بھی غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ معروف سیرت نگار ابو محمد عبدالملک بن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ نے اپنی سیرۃ ابن ہشام میں غزوۂ بدر کے ضمن میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ "من حضر بدراً المسلمین"

یعنی ان مسلمانوں کے نام جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ پھر اس کے تحت ذیلی عنوان ہے"

من بنی ہاشم وبنی المطلب

یعنی وہ حضرات کہ جنکا تعلق بنو ہاشم اور بنو مطلب سے ہے۔ پھر اس فہرست میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی ہے اور اس کے بعد آپ کے چچا اسد اللہ و اسد الرسول سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبکا اسم گرامی ہے اور اسکے بعد سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام کا اسم گرامی ہے پھر بنو ہاشم کے موالی اور ان کے خلفا کا ذکر ہے۔ اسکے بعد بنو المطلب کا تذکرہ ہے اور اس میں ہے

"عبیدہ بن الحارث بن المطلب و اخواہ الطفیل بن الحارث و الحصین بن الحارث"ابن ہشام، ج ۱ ص ۶۷۸)

پھر اس سیرت میں دوسرا عنوان ہے

بن عبد مناف عبیدہ بن الحارث بن المطلب قتلہ عتبہ بن ربیعہ"(ج۱ص ۷۰۶)

"من استشہد من المسلمین یوم بدر مع رسول اللہ من قریش ثم من بنی المطلب

یعنی غزوہ بدر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے جن حضرات نے جام شہادت نوش کیا قریش کے قبیلہ بنو المطلب میں سے حضرت عبیدہ بن الحارث بن المطلب ہیں جن کو عتبہ بن ربیعہ نے قتل کیا تھا۔ یہ ہیں وہ عبیدہ جنکو مولانا نے نبی کریم ﷺ کا عمزاد سمجھا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا حارث بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی کا نام بھی عبیدہ نہیں ہے۔

آپ ﷺ کے چچا:

(۱) حارث بن عبدالمطلب کے چار فرزند تھے۔ ایک کا نام نوفل تھا۔ یہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر کفار کی جانب سے تھے۔ فتح مکہ کے وقت یہ مسلمان تھے۔ غزوۂ حنین میں تین ہزار نیزے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اعانت لشکر اسلام کے سلسلہ میں پیش کیئے۔ ۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۲) عبداللہ......ان کو نبی کریم ﷺ نے "السعید" کا لقب عطا کیا تھا اور یہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔

(۳) ربیعہ بن حارث........ یہ وہی ہیں جنکے شیر خوار بچہ کو دشمن نے قتل کیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے دور جاہلیت کے تنازعات کو ختم کرتے ہوئے پہلے اپنے ہی خاندان کے حقوق سے دست برداری کا اعلان کرتے ہوئے فتح مکہ کے موقعہ پر اعلان فرمایا "ان اوّل دم اضعہ دم ابن ربیعہ بن الحارث"

یعنی پہلا مطالبۂ خون جسے میں ملیا ملیٹ کرتا ہوں وہ ربیعہ بن الحارث کا مطالبہ ہے۔ ۲۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۴) ابو سفیان مغیرہ بن الحارث ۔ یہ نبی کریم ﷺ کے عمزاد ہونے کے ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے۔ نبی

کریم ﷺ کے ہم عمر ہونے کی وجہ سے آپ کے دوست تھے اور صورتاً بھی آپ کے مشابہ تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کی نبوت کا دور شروع ہوا اور آپ نے دعوت وارشاد کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا تو یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت مخالف ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ کی عداوت میں اس حد تک تجاوز کر گئے کہ آپ کی ہجو میں اشعار کہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب کے متعلق کعب بن مالک کو فرمایا انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن آپ کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ پھر عبداللہ بن رواحہ کو فرمایا انہوں نے بھی جواب دیا تو وہ بھی پسند نہ آیا۔ پھر حضرت حسان بن ثابت کو بلایا گیا اور انہوں نے جواب دہی کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو اس کی ہجو گوئی کس طرح کریگا جبکہ وہ میرا قریبی رشتہ دار ہے۔ تو حضرت حسان نے عرض کیا میں آپ کو اس طرح نکال لونگا جس طرح آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا

وان سنام المجد من آل ہاشم

بنو بنت مخزوم و والدک العبد

ترجمہ: آل ہاشم میں سے بزرگی کی بلندی پر وہ لوگ ہیں جو بنو مخزوم کی بیٹی کی اولاد ہیں اور تیرا باپ تو غلام تھا۔

بنو مخزوم کی بیٹی سے مراد نبی کریم ﷺ کے والد جناب عبداللہ، آپ کے چچا زبیر اور ابو طالب کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم ہے اور آپ کے چچا حارث کی ماں سُمیّہ بنت موہب۔ چونکہ بنو عبد مناف کے غلام کی بیٹی تھی اس لئے ان کو غلام کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ یہ اشعار بھی حضرت حسان بن ثابتؓ نے ابو سفیان مغیرہ بن حارث کے جواب میں فرمائے۔

الابلغ اباسفیان عنی　　فانت مجوف نخب بواء

ابوسفیان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ تو بزدل اور خالی خول ہے۔

ہجو محمداً واجبت عنہ　　وعند اللہ فی ذالک الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی اور میں نے ان کی جانب سے جواب دیا۔ اور اسی جواب دینے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بدلہ ہے۔

اتہجوہ لست لہ بکفو　　فشر کمالخیر کما الفداء

کیا تو ان کو ہجو کرتا ہے حالانکہ تو ان کے برابر نہیں تم میں سے جو برا ہو اچھے پر فدا ہو

ہجرت مبارکاً براً حنیفا　　امین اللہ شیمتہ وفاء

تو نے مبارک احسان کرنے والے ضیف کی ہجو کی جو کہ اللہ تعالیٰ کا امین وفا شعار ہے

امن یہجو رسول اللہ منکم　　ویمد حہ وینصرہ سواء

کیا تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرے وہ اور آپ کی مدح کرنے والا، آپ کی مدد کرنے والا کبھی برابر ہو سکتے ہیں اس ہجو گو ابوسفیان ہاشمی کو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ مکہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس نے بیوی سے کہا کہ محمد حملہ کرنے والے ہیں اور قریش میں ان کا مقابلے کرنے کی طاقت نہیں۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ مناسب یہی ہے کہ مکہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔ نیک بخت بیوی نے کہا کہ ابھی تک تیری آنکھیں نہیں کھلیں، محمد کے علاوہ کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ یہ مکہ سے روانہ ہوئے اور دوسری جانب نبی کریم ﷺ مکہ کے لئے لشکر لیکر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ملاقات ہوئی، رحمت للعلمین کی شان رحمت اور بے پایاں عطوفت نے ان کو اپنے دامن عفو و درگذر میں ڈھانپ لیا۔ غزوۂ حنین میں نبی کریم ﷺ کی معیت اور رکاب تھامنے کا ان کو شرف حاصل ہوا۔ صفت

حیاء کا ان پر اتنا غلبہ تھا کہ آنکھ اٹھا کر کبھی بھی نبی کریم ﷺ کی طرف نہیں دیکھا۔ لسان نبوت سے ان کو یہ بشارت حاصل ہوئی۔ ابوسفیان بن حارث من شباب اہل الجنۃ۔ ابوسفیان بن حارث بہشتی جوانوں میں سے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی وفات پر ایک دل دوز مرثیہ کہا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ارقت وبات لیلی لایزول — ولیل افی لمصیبہ فیہ طول

میں جاگ رہا ہوں اور رات ختم ہونے میں نہیں آتی ہاں مصیبت زدہ کی رات لمبی ہی ہوا کرتی ہے۔

فاسعد فی البکاء وذاک فی ما — اصیب المسلمون بہ قلیل

میں بے اختیار رو رہا ہوں اور یہ تو اس مصیبت کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کو لاحق ہوئی ہے بہت ہی کم ہے۔

لقد عظمت مصبتنا وجلت — مشیت قیل قد قبض الرسول

اس روز ہماری مصیبتوں کی کچھ انتہاء نہ رہی جب لوگ یہ کہنے لگے کہ رسول اللہ بلائے گئے۔

فقدنا الوحی والتنزیل فینا — یروح بہ ویغدو جبریل

جس وحی کو لیکر صبح وشام جبریل ہم میں لایا کرتے تھے آج ہم اس سے محروم ہو گئے۔

وذاک احق ماسالت علیہ — نفوس الناس اوکادت لیسیل

وہ مصیبت ہے کہ لوگوں کا مرجانا یہ قریب مرگ ہوجانا بالکل ٹھیک ہے۔

نبی کان یجلو الشک عنا — بما اوحی علیہ او بقول

نبی کریم ﷺ اس شان کے تھے کہ دل سے شک کو صاف کرتے تھے۔ کبھی بذریعہ کلام وحی اور کبھی بذریعہ کلام خودی

یھدینا فلا نخشی ضلالہ — علینا والرسول لنا دلیل

وہ ہماری رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور ہم کو کبھی بھی راستہ ہدایت سے بھٹک جانے کا خوف نہ ہوتا تھا کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ اللہ کا رسول ہمارا رہنما ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس چچازاد برادر کا انتقال ۲۰ھ کو ہوا "رضی اللہ عنہ"

پوچھو نہ مجھ سے آج کی دعوت کا حال تم
طوفان حسرتوں کا مرے دل میں رہ گیا
زردہ ، پلاؤ ، قورمہ ، سب لوگ کھا گئے
"میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا"

شمس و قمر کو میں ترے قدموں پہ واردوں
حاضر ہے میری جان بھی سرکار کے لئے
سونے کے زیورات کی حاجت نہیں تجھے
"زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لئے"

— پروفیسر محمد اکرام تائب —

AHMADYYA MOVEMENT BRITISH-JEWISH CONNECETION

احمدیہ مومنٹ، انگریز، یہودی تعلقات

(قسط ۱۳)

ایک ذھین وفطین بہروپیا:

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی متعینہ خدمات سے کبھی غیر حاضر نہیں رہا۔ ہندوستان اور دیگر عالمی خطوں میں برٹش استعمار کو مستحکم کرنے کی خاطر اس نے اپنے آپ کو انگریز کے حوالے کر رکھا تھا۔ مرزا نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنے منصوبے کو آگے بڑھایا۔ چیلنج للکار، اور اس الہام و وحی کے ذریعہ جو اسے خداوند خدا (دوسرے الفاظ میں رب قادیان للمترجم) کی طرف سے نازل ہوئی تھی اپنے کاروبار کو چلایا۔ اسی احمقانہ اور بے ربط انداز گفتگو کی وجہ سے مرزا کی ذہنی اور جسمانی بیماریاں (اضطراب، بے چینی، ذیابیطس اور ہسٹیریا وغیرہ) دوبارہ عود کر آئیں۔ فکر و دانش رکھنے والے طلباء مرزا غلام احمد قادیانی کی ذہنی سلامتی کا معائنہ کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ایک انڈین عیسائی استاد مسٹر دانیال Danial موصوف کو دیکھنے کے لئے قادیان جا پہنچے۔ اور مرزا قادیانی کی ذھنی کارکردگی کا مطالعہ کرنے کے لئے ان پر سات عدد سوالات جھاڑ دیئے۔ بعد میں جریدہ ریویو آف ایلجینس نے ان سوالات کے جوابات شائع کئے (ملاحظہ ہو جریدہ The British Supplement نمبر ۲ ماہنامہ اشاعت السنۃ جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۹ ص ۲۶۲-۲۶۱۔ انگلش جریدے نے مرزا جی کی ذھنی اور جسمانی کج روی سے انکار نہیں کیا۔ لیکن دعویٰ کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے (آنے والے للمترجم) مسیح موعود کی نعوذباللہ یہی علامات بتائی تھیں۔ ایک دوسرے انگریز اسکالر ڈاکٹر ایچ، ڈی گرس وولڈ Dr.H.D.Gris world مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں اس نتیجے پر پہنچے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایماندار تھا۔ لیکن خود فریبی کے عارضے میں مبتلا تھا۔ قاہرہ مشنری کانفرنس نے بیان کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۶ء میں ستر سال کے ہو چکے ہیں۔ ان کا مذہبی جوش اور یقین کامل ایک بڑے تناسب کے لحاظ سے ان کی نجی اور ذاتی محرکات کا معجونِ مرکب بن چکی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیان ایک معروف اور مقرر کردہ "فراڈ" ہے۔ اسی صورت حال کے تحت مرزا کے کمال فن کا خاتمہ ایک بد ترین شکل میں ہوگا۔ ملاحظہ ہو(The Mohammaden world today۔ ۲۔ قرطاس جو قاطرہ کی اولین مشنری کانفرنس کے بارے میں چار اپریل ۱۹۰۶ء کو شائع کیا گیا۔ اور ۱۹۰۶ء کو لاہور میں طبع ہوا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی اور اس کے وحی والہامات پر مشتمل شطرنج کے مہروں کی جو چال بچھی ہوئی ہے۔ شطرنج کی اس چال پر غور کرنے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ ایک سوچا سمجھا دغا باز بنا ہوا تھا۔ وہ سامراج کی ضروریات کو سمجھتا تھا اور ان انگریزی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر اللہ پاک کا نام استعمال کرتا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا سارا کھیل یہ تھا کہ دین اور مذہب کی قیمت فروخت لگا کر، ترقی، سرفرازی، اور شہرت حاصل کی جائے اور زر و دولت کو جمع کیا جائے۔ قادیانیوں کی بائیبل (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کے وحی

والہامات کا مجموعہ للمترجم) تذکرہ بے تکی باتوں اور ایسے بے سروپا لوازمے کا مجموعہ ہے جو اس قادیانی ہا تھیل سے قبل کسی بھی مقدس انسان کی زبان مبارک سے نہیں سنی گئیں۔ مرزا کے وحی والہامات کا یہ مجموعہ (تذکرہ) عربی فارسی اردو ہندی اور پنجابی زبانوں پر مشتمل ہے جو گھٹیا۔ غیر واضح اور زبان کے اغلاط سے بھرپور ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مرزا کے وحی والہامات کا مجموعہ ایک ایسی کھچڑی ہے جس کا کوئی واضح اور مخصوص مفہوم بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مبینہ وحی والہامات کے بارے میں قادیانیت کے پیروکار، کئی ایک تاویلیں اور تشریحات کرتے ہیں جس کے کچھ الہامات اعداد اور ہندسوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور بعض وحی والہامات ایسی نہ سمجھی جانے والی زبانوں میں دستیاب ہیں جن کا وصول کنندہ خود تسلیم کرتا ہے کہ مذکورہ (نام نہاد) خدائی کلام وہ خود بھی نہیں سمجھ پاتے تھے۔ یہ احمقانہ باتیں اس جھوٹے دیوتا کے دعویدار کے داخلی احساسات، جذباتی بحران اور اس کی ذہنی رکاوٹ کا عکس ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ مذکورہ مدعی مرزا غلام احمد قادیانی کا ذہن ایک ایسے جذباتی راستے پر چل رہا تھا کہ جس کے عقب میں کوئی دوسری لہر سنگ درہ بن کر چل رہی ہو۔ مرزا اپنی پوری زندگی میں مختلف امراض میں مبتلا رہا۔

مثلاً ہسٹیریا، سر کا چکرانا، ذیابیطس، درد شقیقہ، قولنج، تپ دق، مالیخولیا، جنسی کمزوری، شدید اور متواتر قسم کی پیچش وغیرہ موصوف نے کچھ مافوق العادات باتیں اپنے اندر پیدا کر لی تھیں۔ ذہنی لحاظ سے وہ ایک پاگل اور دیوانہ انسان تھا۔ تاہم ہر لحاظ سے بدطینت۔ دغا باز اور شرارت سے بھرا ہوا۔ وہ اجنبی طاقتوں کا پٹھو تھا۔ اور اپنے سیاسی مشن کے ساتھ نیک نیت۔ اس کے سارے کاموں کا مرکزی کردار، جہاد کی تنسیخ، برطانیہ کے ساتھ وفاداری، عالم اسلام کو انگریزی شہنشاہیت کے زیر نگیں دیکھنے کی آرزومندی اور ہندوستان میں برطانوی استحکام کے لئے بطور ایک گماشتہ اپنی خدمات پیش کرنا تھا۔ مرزا اپنے نقاد مخالفین کے بارے میں پرلے درجے کی غیر پسندیدہ درشت اور ناگوار، زبان استعمال کرتا تھا۔ اس کے برعکس اپنے غیر ملکی استاد حکمرانوں کے لئے انتہائی نرم اور تابع فرمان زبان کو برقرار رکھتا تھا۔ ٹھوس شہادتوں کی بنیاد پر یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مرزا کا کوئی بھی الہام، وحی یا خواب نہیں ملتا جو کسی بھی لحاظ سے انگریزی سیاست کے مفاد کے خلاف ہو یا ہندوستان کو کالونی بنا کر رکھنے والی طاقت کی غلطیوں پر گرفت کرنے والے ہوں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا ہر لفظ جس کے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ وہ الفاظ خدا کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ مرزا کے الفاظ برطانوی حمایت اور اپنی سمت کے لحاظ سے ان کے رخ کا تعین اسلام کی مخالفت میں ہوتا ہے۔ امت مسلمہ کی غلامی اور برطانیہ کی اقتصادی فوقیت پر (اس کا "رب قادیان" للمترجم) مسرت سے جگمگاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ حقیقت ٹھوس اور واضح بنیادوں پر عیاں ہے کہ قادیانیت کا منبع اور اس کا آغاز یہودیت اور استعمار کی پشت پناہی سے ہوا ہے۔ یہودی اثر ورسوخ اور اس کے زر تعاون نے برٹش سرکار کے خفیہ کلیسائی کلب کے ساتھ مل کر احمدیت (قادیانیت) کے اس ننھے منھے پودے کو ایک تناور درخت کی شکل میں پھلنے پھولنے کے لئے آبیاری کی۔ اس تخریب کار تحریک کو اپنے سامراجی عزائم عالم اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے اور اسلام کے بدن میں تفرقہ بازی اور پھوٹ، ڈال کر عالم اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کی خاطر، یہود و نصاریٰ نے مل کر نائب بشپ مقرر کر رکھے تھے۔

ایک پھندے والی دو حصوں پر مشتمل یکجا تمثیلی بوتل کی نغمہ نگاری:

اپنے آپ کو اسلام کا ایک غازی مرد کی حیثیت سے مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۷۶ء میں ہندوستانی اخبارات اور جرائد میں اپنے مضامین بھیجنے کا آغاز کیا۔ بعد ازاں انہوں نے ویدوں کی فلاسفی اواگون یا تناسخ یعنی ایک روح کا دوسرے قالب میں جنم لینے کے موضوع پر آریہ سماج، برہمو سماج اور دیو سماج کے پیشواؤں سے بحث و مباحثہ شروع کر دیا۔ وہ اپنی شخصیت کی خاطر بہ حیثیت اسلام کے محافظ اور ناصر کے وحی والہام پر مبنی ایک تحریک پیدا کر رہا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں مرزا اپنی کتاب براہین احمدیہ کی تدوین کے لئے مصروف ہو گئے۔ ۱۸۸۴ء میں اس کتاب کے پہلے چار حصے منظر عام پر آ گئے۔ مرزا جی کی اپیل پر کتاب کی طباعت کے لئے کھاتے پیتے اور مشاہیر مسلمانوں نے اس کے ساتھ دل کھول کر تعاون کیا۔ معاونین حضرات سے خلیفہ سید محمد حسن دیوان (یعنی وزیر اعظم للمترجم) پٹیالہ (۱) نواب آف بھوپال، حیدر آباد دکن کے مولوی چراغ علی، لدھیانہ کے نواب محمد علی خان اور سردار غلام احمد رئیس آف واہ (اٹک) پیش پیش تھے۔ براہین احمدیہ کتاب کی پہلی جلد میں فارسی زبان کی دو عدد نظمیں ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے ایک لمبا چوڑا اعلان ہے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کتاب کے اندر اسلام کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں اگر کوئی شخص مذکورہ دلائل کو غلط ثابت کرنے کی ہمت کر سکتا ہو تو ایسے شخص کو مبلغ دس ہزار روپے بہ طور انعام پیش کئے جائیں گے۔ مرزا کا یہ ایک طویل اور بے مصرف سا دعویٰ تھا خود اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد آنجہانی نے اس دعوی پر ریمارکس دیتے ہوئے لکھا کہ اس کتاب کے اندر ان کے باوا مرزا قادیانی اسلام کے حق میں ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے (کتاب سیرۃ المہدی صفحہ ۹۳، جلد اوّل مرزا بشیر احمد ایم اے)

> نوٹ از مترجم:۔ مرزا بشیر احمد ایم اے کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ تین سو دلائل جو آپ (مرزا قادیانی) نے لکھے تھے ان میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی ہے اور وہ بھی نامکمل طور پر..... نوٹ از مترجم نمبر ۲ فاضل مصنف نے سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۹۳ کا حوالہ درج کیا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ۱۹۳۵ء کی مطبوعہ سیرت المہدی جلد اوّل میں مذکورہ حوالہ صفحہ ۱۱۲۰ پر دستیاب ہے۔ صفحات کی الٹ پھیر قادیانیوں کا ایک پرانا وطیرہ ہے۔ للمترجم سبطین لکھنوی)

مرزا غلام احمد قادیانی نے عوام کے اسلامی اعتماد کو قائم رکھنے اور تجارتی نقطہ نظر سے اپنی کتابوں کو فروخت کرنے کا کاروبار شروع کیا تھا۔ اس نے براہین احمدیہ کی قیمت سب سے پہلے پانچ روپے مقرر کی۔ پھر اس کا نرخ دگنا کر دیا گیا۔ اور آخر میں پچیس روپے تک براہین احمدیہ کے ہدیہ کو بڑھا دیا۔ وہ تو ایک سو روپے تک قیمت بڑھانے کا آرزومند تھا۔ بعد میں اس خیال کو چھوڑ دیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے نام پیشگی رقم ارسال کرنے کی اپیل کی گئی۔ پہلے براہین احمدیہ کتاب کی پچاس جلدیں لکھنے کا وعدہ ہوا۔ لیکن مرزا صرف پانچ جلدیں شائع کر سکا۔ اوّلین چار جلدیں ۱۸۸۴ء تک شائع ہوئیں اور پانچویں جلد تیس سالوں کی سبک رفتاری کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کے مرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر ظہور پذیر ہوئی۔ براہین احمدیہ کتاب وحی ربانی الہامات اور خواب و خیال کی ایک کثیر

تعداد اپنے اندر رکھتی ہے۔

ان فضول لغویات کو اس نے مذہبی سیاست کے تدبیری منصوبے کے تحت شرارتاً بدنیتی اور بدذاتی سے پیدا کیا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے خفیہ اور پوشیدہ طریقوں سے اپنے دعوائے نبوت کو ابتداء میں ظاہر کر دیا تھا۔ احمدیہ (قادیانی) ڈرامے کی ابتداء کرنے میں نہ تو وقت موزوں تھا اور نہ ہی مرزا ہندوستانی مسلمانوں کے تند و تیز غیظ و غضب کو دعوت دے سکتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ابتداء ہی میں دعوائے نبوت کے خفیہ اور پوشیدہ طریقے

براہین احمدیہ کتاب کی تدوین کے وقت مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے اصل مقصد کو چھپایا۔ مستقبل کے متقاضی امورات عامہ اور وقت کے نازک حالات کی بنا پر اس نے انتہائی عیاری اور دانائی سے اپنے دعوائے نبوت کو ملتوی کر دیا۔ الحکم قادیان مطابق ۱۷ اگست ۱۸۹۸ء میں مطبوعہ ایک خط کے اندر مرزا قادیانی لکھتا ہے۔ اس پر وحی نازل ہوئی کہ دنیا میں ایک بدو آیا۔ لیکن دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن اس کے اس دعوئے نبوت کے بعد امت مسلمہ کی طرف سے سخت قسم کی گرفت کے ردعمل کا اندیشہ تھا لہذا مرزا نے اپنی اس وحی کی قرات کو دوسرے الفاظ میں پیش کیا اور اپنی کتاب میں اس طرح لکھا دنیا میں ایک نذیر آیا الفاظ کے اندر یہ ہیرا پھیری اور افزوں گری بہ بانگ دھل اس کے اصل مقاصد کی ایک ایسی مثال ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچ رکھا تھا؟ یہ افزوہ گری اس کے فریب دغا بازی اور ھیرا پھیری کا ایک تصنع آمیز بڑبولا پن ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے امتناعی کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی اپنے ذھن کو تبدیل نہ کر سکا۔ اور وہ کر سکتا ہی نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ لوگوں کی طرف سے بعض اطراف سے تعریفی کلمات موصول ہوئے ہیں۔ تحریک احیاء اسلام کی خاطر شور و غوغا مچانے والے کو مرزا غلام احمد قادیانی نے کیونکہ اسلام کے نام نہاد دفاع کی خاطر خود اپنے ہی وضع کردہ طریقوں سے حملے کئے تھے۔ تاہم دور اندیش مسلمانوں نے بہر صورت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی پر اپنی گرفت ظاہر کر دی انہیں یقین تھا کہ مرزا کسی سیاسی مشن کی خدمت، مکاری، ریاکاری، منافقت اور حیلہ سازی سے بجا لانے میں مصروف ہے۔ کتاب براھین احمدیہ کی طباعت کے بعد اس نے نجی محفلوں میں بھی میر محفل بننا شروع کر دیا۔ اس کے پاس اسراف کرنے والی اور شاہ خرچ زندگی بسر کرنے کی خاطر زر و دولت کافی آچکی تھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض رفقاء کار نے اس پر یہ الزام لگایا بلکہ دردناک اور ماتم خیز طریقے سے اس افسوس ناک صورت حال کا اظہار کیا کہ ہم لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو اسلام کی تبلیغ کی خاطر اپنے خون پسینے کی کمائی پیش کر دیتے ہیں لیکن یہاں عالم یہ ہے کہ ہماری کمائی مرزا کی بیوی صاحبہ کے زیورات خرید کرنے میں صرف ہو رہی ہے۔ ان تنہا اور ضعیف آوازوں کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ (بہ حوالہ الفاروق ۷ ستمبر ۱۹۳۸ء) اور دیگر قادیانی اکابر کے بیانات۔ خواجہ کمال الدین قادیانی مرزا قادیانی کے غریب ترین رفیق اور بعد میں لاہوری قادیانیوں کے پیشوا۔ کتاب کشف اختلاف از سید سرور شاہ قادیانی صفحہ ۱۵ کتاب اذکار الحکیم نمبر ۱۔ تا نمبر ۶، مطبوعہ مبارک برادرز پٹیالہ اسٹیٹ مطبوعہ ۱۹۰۷ء۔ ۱۹۰۶ء نوٹ مذکورہ بالا کتاب ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی کی ہے مرزا کے ایک پر

جوش پیروکار تھے۔ موصوف نے مرزا قادیانی کے اس کھلم کھلا ٹیکنیک کا سب سے پہلے انکشاف کیا کہ دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر جمع شدہ رقم مرزا غلام احمد قادیانی کی ذاتی مصارف میں خرچ ہو رہی ہے۔

پچاس سال کی عمر کے باوجود ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو دوسری شادی رچانے کی سوجھی۔ مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد اس کی پہلی بیوی کے بطن سے دو بیٹے تھے۔ اگرچہ وہ ذہنی صحت کی خرابی کا رونا روتا تھا۔ در کئی ایک امراض مزمنہ Chronic, diseas مثلاً تپ دق، ذیابیطس، دردشقیقہ کا مریض تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی ساری جنسی توانائیاں ختم ہو چکی ہیں اس کے باوجود اس نے اس وحی کا دعویٰ کیا کہ اس کی دوسری شادی خدیجہ کے ساتھ ہو گی (کتاب تذکرہ طباعت دوئم صفحہ ۳۷ اشاعت ربوہ) ۱۷ نومبر ۱۸۸۴ء کو ان کی شادی نصرت جہان کے ساتھ ہوئی۔ یہ میر ناصر نواب کی لڑکی تھی جو محکمہ انہار کا ایک معمولی کلرک تھا اور ایک عرصہ دراز تک مرزا قادیانی کا مخالف رہ چکا تھا جن دنوں مرزا طویل و عریض مذہبی دعاوی کا دعویدار تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی تیسری شادی کا بھی انتہائی مشتاق تھا اور محمدی بیگم کے عشق کے دلدل میں اس حد تک دھنس چکا تھا کہ وہ اس خیالِ عشق کو مزید آگے جاری نہ رکھ سکا۔ ۱۸۸۵ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مجدد وقت ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کے اگلے سال تنہائی کے لئے جائے پناہ کی تلاش میں چالیس روزہ چلہ کشی کے لئے ہوشیار پور جا پہنچا۔ چلہ کشی کے بعد ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو اس نے اعلان کیا کہ اس کو ایک خوبصورت اور پیارا بچہ عطا کیا جائے گا۔ جس کا نام عمنوائیل اور بشیر ہو گا۔ وہ اولین اور آخرین تجلی کا مظہر ہو گا۔ مظہر الحق والعلی۔ اسے اللہ پاک فلک ابقلاء سے نازل کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں اپنے مبہم، بے سروپا اور غیر واضح تاویلات کے بل بوتے پر مرزا کے بیٹے مرزا محمود قادیانی نے اپنے باپ کی اس پیشگوائی کے بعد مصلح موعود کا دعویٰ کر دیا۔ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو مرزا نے اعلان کیا کہ اللہ پاک نے اسے اپنی جماعت بنانے اور لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ احمدیہ (قادیانیت) بیعت فارم کا مطلب یہ ہے کہ احمدی (قادیانی) جماعت میں داخل ہونے کے لئے کچھ شرائط کی ترغیب دی جائے۔ مذکورہ شرائط کی چوتھی شکل جو فطرت میں بھی شامل ہے وہ یہ ہے کہ بیعت کنندہ کو برطانوی حکومت کا نمک حلال وفادار بنایا جائے۔ مرزا قادیانی نے حسب ضابطہ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ میں بیعت لی۔ مرزا محمود قادیانی مذکورہ چوتھی شرط کے مراد و معانی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے۔ (قادیانی) جماعت کی پیدائش کے وقت ہی جماعتی ارکان کو برٹش سرکار کے ساتھ وفاداری ہر قسم کی خلاف قانونی حرکات، مزاحمت، بے چینی اور ہل چل مچانے سے کنارہ کشی اور اجتناب برتنے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔ قادیانی تحریک کے بانی نے بنیادی طور پر اپنی جماعت کے اندر قانون پر پابند رہنے والی سوسائٹی تیار کی۔ یعنی قادیانی جماعت کا ہر رکن قانونی طور پر بنی ہوئی اس انگریزی حکومت کا مکمل طور پر وفادار رہے گا۔ انگریزی قانون سے روگردانی کرنے کا طریقہ اپنائے گا۔ اس حکم امتناعی کی تائید میں قادیانی جماعت کے ارکان نے اپنے آپ کو ہر قسم کے ایجی ٹیشن سے دور رکھا۔ اور جو لوگ حکومت برطانیہ کے خلاف مزاحمت کے لئے عوام کو بھڑکاتے ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے میں اپنے آپ کو ایک فاصلے پر رکھا (ہز ہائینس پرنس آف ویلز کے نام قادیانی جماعت کا سپاس نامہ شعبہ نشر و اشاعت جماعت احمدیہ قادیان مطبوعہ راجھان پریس دہلی صفحہ ۵، اشاعت ۱۹۲۲ء)

(بقیہ ص ۴۱ پر)

احرار کی تحریک ردقادیانیت اور اس کے دینی و سیاسی محرکات

مجلس احرار اسلام اور قادیانی دو متحارب قوتیں ہیں احرار، اسلام کے نمائندہ اور قادیانی کفر و ارتداد کے۔ جو گذشتہ پون صدی سے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ اور نہ جانے ابھی کتنا عرصہ یہ آویزش، درمیان حق و باطل جاری رہتی ہے۔ مشیت ایزدی ہے کہ حق و باطل کے درمیان آویزش جاری رہے تاکہ حق و باطل کے درمیان فرق ابھر کر سامنے آسکے اور عامۃ المسلمین گمراہی سے محفوظ رہیں۔

امتیازِ حق و باطل کے لئے خیر و شر کے درمیان آویزشیں

قادیانیوں کے خلاف مجلس احرار اسلام کی یہ جنگ اور اس کے محرکات ہم سب پر واضح ہیں لیکن شاید ابھی کچھ لوگ ایسے بھی اس ملک میں ہیں جو اس جنگ کے اصل محرکات سے ناواقف ہیں۔ ایسے احباب کے لئے زیر نظر مضمون مفید ثابت ہوگا۔ پچھلے دنوں تلہ گنگ سے بزرگ احرار ساتھی جناب رفیق غلام ربانی صاحب کا ایک خط میرے نام آیا جس کے ساتھ ہی ایک قادیانی مضمون نگار کے مضمون کی ایک فوٹوسٹیٹ کاپی بھی تھی جو اسلام آباد کے روزنامہ "الاخبار" میں چھپا، جس میں مجلس احرار اسلام پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی تھی اس کے چند روز بعد ہی محترم بھائی سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کا مضمون بہ عنوان "ایک مرزائی کے خط کے جواب میں" نقیب ختم نبوت جولائی ۱۹۹۶ء کے شمارے میں پڑھا۔ یہ سب مل ملا کے اس مضمون کا باعث بن گئے۔ حالانکہ یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ایسے مضامین قادیانی حضرات اپنے خبث باطن کی تسکین اور اس ہزیمت کے ازالے کے لئے جو انہیں جماعت احرار کے ہاتھوں اٹھانا پڑی، لکھتے ہیں وہ بے چارے اپنے زخم چاٹتے ہیں جو انہیں مجلس احرار کے ہاتھوں لگے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا قادیانیوں کو حق بھی حاصل ہے کہ ہم نے بھی تو "کہاں کہاں نہ پہنچے تیری دید کی لگن کو" کے مصداق کس کس محاذ پر انہیں شکست سے دوچار نہیں کیا۔ اللہ کے فضل و کرم اور مسلمانوں کے تعاون سے احرار نے قادیانیوں کے مذموم مقاصد کی ہر راہ کامیابی کے ساتھ روکی ہے اور انہیں ہمارے ہاتھوں ہر محاذ پر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اب اگر وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق کبھی ہم پر پھبتی کس لیتے ہیں یا چٹکی بھر لیتے ہیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا بہ امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۸۹۲ء میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے قربان جائیے کہ ایک سال کے قلیل عرصہ میں قادیانی فتنے کے سدباب کے لئے اس شخصیت کو پیدا کر دیا جو قادیانی دجل کا پردہ چاک کرنے والی ہر تحریک کا مرکزی کردار ثابت ہونے والا تھا۔ یوں ہر فرعون راموسی کے مصداق امیر شریعت کی قیادت میں قادیانی فریب کے یوں بخیئے ادھڑے ہیں کہ جس کی مثال موجود

نہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قادیانیت کا کوئی ذکر احرار کے بغیر مکمل نہیں اور اسی طرح اگر ردِ قادیانیت کی بات تاریخ احرار سے حذف کر دی جائے تو احرار کی تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے۔

نسبت سے تیری شہر میں بدنام ہوگئے
الزام کی طرح کبھی دشنام کی طرح
ہم بھی کتاب عشق میں محفوظ ہوگئے
اے یادیار مجنوں بدنام کی طرح

مجلس احرار اسلام مسلمانوں کی پہلی جماعت ہے جسے جماعتی حیثیت میں قادیانیوں کا محاسبہ کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ مجلس احرار اسلام سے پہلے چند علماء کا نام تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے، جنہوں نے انفرادی طور پر اس فتنے کے مؤثر سد باب کے لئے اپنی عمریں کھپادیں۔ اور ان کے کام کے مثبت نتائج بھی بر آمد ہوئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا غلام دستگیر قصوری، مولانا عبدالمنان وزیر آبادی اسی طرح سے لدھیانہ سے مولانا محمد عبداللہ اور عبدالعزیز بھی اسی صف شمار ہوتے ہیں۔

یہ غالباً ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے کہ امرتسر کے بندے ماترم ہال میں مرزا بشیرالدین محمود جو قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ تھے، کی تقریر کا اعلان کیا گیا اور عام مسلمانوں کو بھی دعوت دی گئی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں مجمع میں حضرت امیر شریعت بھی موجود تھے۔ دوران تقریر مرزا بشیر الدین محمود نے حضور ﷺ کی ایک حدیث بیان کی۔ جسکا مفہوم تھا کہ اگر سیدنا موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو حضور کی ہی شریعت کی پیروی کرتے۔ یعنی حدیث میں تحریف کر کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نام شامل کر لیا۔ مرزا بشیرالدین محمود نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عام انسانوں کی طرح فوت ہوچکے ہیں۔ اس پر امیر شریعت نے کھڑے ہو کر مرزا بشیرالدین محمود کو ٹوکا اور گرج دار آواز میں کہا کہ حدیث ٹھیک پڑھو۔ مرزا بشیرالدین نے دوبارہ حدیث غلط پڑھی تو امیر شریعت نے اسے پھر ٹوکا۔ یہ سلسلہ دوچار مرتبہ دہرایا گیا حتیٰ کہ امیر شریعت خود سٹیج پر چڑھ گئے۔ مرزا بشیرالدین ہال سے بھاگ گیا۔ امیر شریعت نے حدیث مبارکہ صحیح تلاوت کی جس میں صرف اور صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا۔ اور مرزا بشرالدین کے دجل کا پردہ چاک ہو کر رہ گیا۔ یہ وہ معرکہ تھا جسے احرار قادیانیت ٹکراؤ کا نقطۂ آغاز کہا جاسکتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ٹکراؤ اتنا شدید ہوتا گیا کہ اب اس کی گونج اکناف واطراف میں صاف سنائی دیتی ہے۔ اور قیامت تک سنائی دیتی رہے گی۔

مجلس احرار اسلام نے قادیانیت کا اتنی شدت کے ساتھ جو محاسبہ کیا ہے تو اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مجلس احرار اسلام قادیانیت کو مسلمانوں کے دینی عقائد کے خلاف ایک گہری سازش اور فتنہ قرار دیتی ہے۔ قادیانیت کے عقائد باطلہ کو اگر خدانخواستہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے دین اسلام کا اساسی عقیدہ ختم نبوت سرے سے باقی ہی نہیں رہتا جس پر دین اسلام کی ساری عمارت قائم ودائم ہے۔ اہل اسلام پر خداوند تعالیٰ کے جہاں اور انعام واکرام اور احسانات ہیں وہاں ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ دین اسلام کے بنیادی عقائد قیامت تک کے لئے محفوظ ہوچکے ہیں۔ اب دین اسلام سے نہ تو کوئی عقیدہ نکالا جاسکتا ہے اور نہ کوئی نیا عقیدہ داخل کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم

ﷺ کی ذات اقدس پر دین اسلام کی تکمیل ہو چکی ہے۔

اک اینٹ رہ گئی تھی نبوت کے قصر میں
آپ آگئے تو ختم یہ تعمیر ہو گئی

دین اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث ہیں۔ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب بھی دشمنان اسلام کی طرف سے دین اسلام اور امت مسلمہ کی ملی وحدت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو اسکا بڑی شدت کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور دشمنوں کو سوائے ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جہاں اور جب بھی حضور ﷺ کے منصب ختم نبوت کو مجروح کرنے کی کوشش ہوئی تو علماء اور عام مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ منصب ختم نبوت کی حفاظت کی اور کامیابی حاصل کی۔ اکبر کے "دین الٰہی" میں بھی یہی صورت تھی۔ دراصل ابوالفضل اور فیضی دونوں ایسی صورت پیدا کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز و محور حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس نہ رہے جسکے بعد مسلمانوں کو سیکولرازم کی جانب دھکیلنا یا پھر انہیں گمراہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ اگر انسان کی نجات کے لئے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ایمان لانا ضروری نہیں رہتا جیسا کہ "دین الٰہی" کا یہ ایک بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا تو پھر حضور اکرم ﷺ کی کیا حیثیت و اہمیت رہ جاتی ہے۔ آپکے منصب و مقام کی جو اہمیت اس وقت مسلمانوں کے دل میں موجود ہے وہ باقی نہیں رہتی اور یہی صورت اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی تسلیم کر لیا جائے۔ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی نبی آسکتے ہیں اور دین اسلام میں ترمیم و اضافہ ہوسکتا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کی نہ وہ مرکزیت رہتی ہے اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ کا وہ مقام و مرتبہ قائم رہتا ہے۔ جسے قائم رکھنا دین اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ اب قیامت تک کے لئے توحید الٰہی پر بھی ایمان لانے کے لئے رسالت محمدی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ جب آپ ﷺ نے موحدین مکہ کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے تو یہ سب کچھ پہلے ہی تسلیم کر رکھا ہے۔ اور انہی عقائد پر عمل پیرا ہیں۔ اس پر وحی الٰہی کے ذریعے حضور ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اے محبوب ان سے کہہ دیجئے کہ اب ان کی توحید بھی اس وقت تک مستند نہیں ہے۔ جب تک یہ لوگ آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔ آپ کی رسالت پر ایمان لانے کا

مقصد صرف یہ نہیں کہ آپ کو رسول تسلیم کر لیا جائے بلکہ رسالت مآب کی رسالت میں جو عقیدۂ ختم نبوت موجود ہے وہ ایک بنیادی تقاضا ہے جس کے بغیر حضور اکرم ﷺ کی رسالت سرے سے مکمل ہی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں خداوند تعالیٰ کی ہستی کو تسلیم کرتا ہوں لیکن اس ہستی کو وحدہ لاشریک تسلیم نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا۔ اگر یہی شخص یہ ہے کہ دیکھئے میں اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتا ہوں اس کے باوجود مسلمان مجھے مسلمان تسلیم نہیں کرتے تو اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ بھلے مانس اللہ تعالیٰ کو اس طرح تسلیم کرو جس طرح حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک شخص حضور اکرم ﷺ کو رسول تو تسلیم کرتا ہے لیکن آپ کی ذات اقدس کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتا اور آپ کے بعد کسی دوسرے کو نبی مان لیتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایسا شخص حضور اکرم ﷺ پر ایسے ایمان نہیں رکھتا

جس طرح اسے حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ایمان لانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ختم نبوت کے بغیر حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین ہی نہیں ہوتا اور جب تک حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کو تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک اگر کلام یا پیغام نبوت تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کذاب بھی حضور ﷺ کو رسول تسلیم کرتا تھا۔ آج بھی تاریخ میں وہ خطوط موجود ہیں جس میں مسیلمہ کذاب نے آپ ﷺ کو رسول تسلیم کیا اس کے باوجود اس کے خلاف فوج کشی ہوئی تو محض اس وجہ سے کہ وہ حضور ﷺ کے مقام اور مرتبے سے انکاری تھا۔ وہ کہتا تھا کہ آپ بھی نبی ہیں اور میں بھی نبی ہوں۔ قادیانیوں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کی رسالت کو بظاہر ماننے کے بعد آپ کے خاتم النبیین ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور آپ کے بعد غلام احمد کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ نہ تو حضور ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد تک کسی کو نبی مانتے ہیں اور نہ ہی غلام احمد کے بعد کسی مدعی نبوت پر ایمان لاتے ہیں گویا وہ مرزا غلام احمد پر سلسلۂ نبوت کو ختم گردانتے ہیں اور ہم مسلمان حضور ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہونے کو عقیدے کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح منطقی طور پر قادیانیوں نے حضور ﷺ کے مقابلے میں مرزا غلام احمد کو آخری نبی کے طور پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ جو صریحاً تعلیمات اسلام کے خلاف بغاوت ہے اور دین اسلام کے خلاف ویسے ہی ایک سازش ہے جس طرح اکبر کا "دین الہٰی" اسلام کے خلاف ایک مکمل سازش تھی، اسی طرح ہندوستان کی سرزمین پر ایک تحریک بھگتی تحریک کے نام سے بھی مشہور ہے یہ بھی اسلام کے خلاف سازش تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار تو بڑی شدت کے ساتھ تھا مگر حضور اکرم ﷺ کی رسالت کا یا پھر انکی ختم نبوت کا کہیں کوئی ذکر موجود نہیں تھا۔ ان تمام سازشوں کا مقصد مسلمانوں کی ملی شناخت کو مجروح کرنا اور مسلمانوں سے حضور اکرم ﷺ سے عقیدت کا دامن چھڑانا ہے جسکے بعد سرے سے کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا۔ علامہ مرحوم محمد اقبال نے اسلام کے اسی بنیادی عقیدہ ختم نبوت کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است

قوم را سرمایۂ قوت ازو حفظِ سرِ وحدتِ ملت ازو

دل ز غیر اللہ مسلمان می کند نعرۂ لا قوم بعدی می زند

ختم نبوت کے بغیر رسالت کا عقیدہ مکمل نہیں ہوتا اور رسالت کا ہی یہ معجزہ ہے کہ بے شمار نسلوں اور بے شمار ثقافتوں کے لوگ ایک مرکز پر آ کر ہم نوا اور ہم مدعا ہو جاتے ہیں۔ کثرت ایک نقطۂ وحدت میں آ کر سرخرو ہوتی ہے اور یہی وہ وحدت ہے جو ہمارے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے اور ہم زندۂ جاوید ہو گئے۔ اب افراد آتے اور جاتے رہیں گے زمانہ اپنے تغیرات کو ساتھ لئے اپنی منزل کی جانب یونہی رواں دواں رہے گا لیکن ملت اسلامیہ ان تمام حالات سے بے نیاز ہو کر محض نسبت حضور اکرم ﷺ کے بل بوتے پر ہمیشہ دائم و قائم رہے گی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ پر دین مکمل ہو گیا۔ جیسے آپ خاتم النبیین ہیں ویسے آپ ﷺ کی امت خاتم الامم ہے۔ ملت اسلامیہ کے علاوہ جتنی بھی دنیا کے اندر دوسری اقوام ہیں یا آئندہ چل کر قائم ہوں گی وہ سراسر آئینِ فطرت کے خلاف ہوں گی یہ اس لئے کہ یا تو وہ نسل کی بنیاد پر قائم ہوں گی یا پھر وطن کی بنیاد پر لیکن یہ سب بنیادیں ملتِ اسلامیہ کی بنیاد کے سامنے اس قدر کمزور اور بے جان ہیں کہ ان کا ہمیشہ کے لئے برقرار رہنا ایک ناممکن

سی بات ہے۔ حق کے مقابلے میں باطل کی عمر ہمیشہ کم رہی ہے اب کوئی نیا نبی یا نئی قوم اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر اپنے اندر وسعت، گہرائی یا کشش پیدا نہیں کر سکتی بلکہ نئی قوم، نئے مذہب سے انسانوں کے اندر مزید تفرقہ و تفریق پیدا ہو گئی۔ یوں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پوری انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہے کہ جن کے دم بہ دم سے نہ صرف ملت اسلامیہ بلکہ ایک طرح سے پوری انسانیت قیامت تک کے لئے مختلف طبقوں اور فرقوں میں بٹنے سے محفوظ و مامون ہو گئی۔ یہی بات آپ کے رحمت العالمین ہونے کی شان کو اجاگر کرتی ہے۔ گویا آپ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپ کے رحمت العالمین کی صفت قائم ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد برر سول ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفل ایام را او رسل را ختم وما اقوام را

خدمت ساقی گری باما گذاشت داد مارا آخریں جامے کہ داشت

دین اسلام کے اس بنیادی عقیدے پر قادیانی جماعت ایک ضرب کاری لگانا چاہتی تھی۔ اکابر احرار اسلام، (اللہ ان کی قبروں کو اپنے نور سے منور کرے) جو دین اسلام کی روح اور اسلام کے مزاج شعور سے پوری طرح واقف تھے قادیانی تحریک کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور ایک طویل جدوجہد کے بعد قادیانی جماعت کو ان کے صحیح سیاسی و مذہبی مقام پر لاکھڑا کیا کہ اب دنیا بھر میں انہیں اسلام کے نمائندہ کی بجائے ایک لابی قوت تسلیم کیا جانے لگا ہے جو صریحاً اسلام کے خلاف ایک بغاوت کا نشان بن کے رہ گئی ہے۔ خود معاشرے کے اندر قادیانیوں کا مقام کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانی ایک گالی بن گئے ہیں جسے کوئی شریف انسان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لہذا اگر کہیں سے قادیانی جماعت مجلس احرار اسلام کے خلاف زہر اگلتی نظر آتی ہے تو اس کا انہیں پورا پورا حق حاصل ہے کیونکہ قادیانیوں کو اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ امت مسلمہ اور اقوام عالم کے سامنے انہیں ننگا کرنے میں بنیادی کردار مجلس احرار اسلام کا ہی ہے۔

دوسری بڑی وجہ جس نے مجلس احرار اسلام کو قادیانی محاسبے پر مجبور کرنے کے لئے ایک مؤثر کردار ادا کیا، یہ تھی کہ احرار دینی جذبے سے سرشار ہو کر محض دینی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بڑی جانفشانی کے ساتھ انگریزوں کی غلامی کے خلاف نبرد آزما تھے۔ احرار یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان غلام رہ کر ہی اپنی تمدنی قوت برقرار رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی سیاسی و دینی حیثیت کی حفاظت کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ احرار اس حقیقت سے بھی پوری طرح آشنا تھے کہ مسلمان اپنی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کے پابند ہیں کہ اقوام عالم کو ہر نوع کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ کی غلامی میں لاکھڑا کریں۔ نسل کی غلامی، زبان کی غلامی، ثقافت کی غلامی اور پھر سب سے بڑھ کر وطن کی غلامی، خدا کی غلامی کے راستے کی اہم رکاوٹیں ہیں۔ غلام رہتے ہوئے بھلا مسلمان اپنی ان ذمہ داریوں کو کیسے پورا کر سکتے ہیں جو ذمہ داریاں حضور اکرم ﷺ کے ختم الرسل ہونے کی وجہ سے اب امت مسلمہ کو منتقل ہو چکی ہیں۔ لہذا احرار بڑی شدت کے ساتھ انگریزی استبداد سے ٹکرا گئے۔ احرار کے جانفروش رضاکاروں کی اگر مجموعی قید فرنگ کو شمار کیا جائے تو کئی سو سالوں تک جا پہنچتی ہے۔ علاوہ ازیں احرار علماء پر جیل کے اندر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان الگ ہے۔ مفکر احرار چودھری افضل حق کا کھڑی ہتھکڑی سے ایک بازو شل ہو گیا تو بائیں ہاتھ سے لکھنا شروع کر

دیا۔کھانے میں پارہ اور سرمہ ملا کر کھلایا گیا جس سے آپ کی آواز بیٹھ گئی۔ گفتگو میں دقت محسوس کرنے لگے۔ ۱۹۳۹ء کی فوجی بھرتی بائیکاٹ کی تحریک میں گرفتار ہوئے تو موت سے صرف دس بارہ روز پہلے رہا کئے گئے۔ شورش کاشمیری پر جو ظلم ہوا اسکی داستان "پسِ دیوارِ زنداں" میں موجود ہے۔ جسے پڑھ کر صرف آنکھیں ہی نم آلود نہیں ہوتیں بلکہ دل بھی دہل جاتے ہیں۔ جانباز مرزا کی کتاب "آتشکدہ" کا مطالعہ کر کے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کس جذبے سے برطانوی استعمار کے ساتھ ٹکرا گئے۔ اور بالآخر اسے شکست سے دوچار کر کے ہندوستان کو آزاد کرانے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ مولانا احسن عثمانی جیل میں ہی دم توڑ گئے۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی جیل بیس برسوں پر محیط ہے، مولانا گلشیر شہید انگریزوں کے ایجنٹوں کی گولی کا نشانہ بن گئے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زندگی کے دس برس جیل کی کال کوٹھڑیوں کے نذر ہو گئے۔ شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا عبدالرحمن میانوی سب جیل میں کئے گئے مظالم کی وجہ سے مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انگریز کے خلاف جماعت احرار کی یہ جنگ محض اس لئے تھی کہ مسلمان اپنی ملی شناخت برقرار رکھ سکیں۔ احرار اس حقیقت سے آشنا تھے کہ غلامی میں قوموں کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے، دینی غیرت مفقود ہو کر رہ جاتی ہے اور حق و باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

بقول اقبال:

از غلامی دل بمیرد در بدن　　از غلامی روح گردد بارِ تن
از غلامی ضعفِ پیری در شباب　　از غلامی شیرِ غاب افگندہ ناب
از غلامی بزم ملت فرد فرد　　این و آں بایں و آں اندر نبرد
از غلامی مردِ حق زنار بند　　از غلامی گوہرش نا ارجمند

لیکن احرار کے مقابلے میں دوسری جانب قادیانی جماعت انگریزی اطاعت کا پرچار کر رہی تھی۔ انگریزی ظلم و ستم کے استحکام کے لئے برسرِ پیکار تھی۔ خم ٹھونک کر مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی قبول کرنے کا درس دے رہی تھی۔ جہاد کو حرام قرار دے کر انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کرنے میں دن رات مصروف تھی۔ انگریزی اقتدار میں امن و سلامتی اور انگریزی فیوض و برکات کے ترانے گائے جا رہے تھے۔ جماعت احرار اور قادیانیوں کے اس تضاد نے بھی ان دو جماعتوں کو مدِ مقابل لا کھڑا کیا۔ کیونکہ جن کے خلاف احرار اپنی زندگی اور موت کی جنگ میں مصروف تھے انکی اطاعت اور ان سے وفاداری کو قادیانی اپنے لئے جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ یہ بعد، یہ تضاد اور اختلاف اتنا شدید تھا کہ ان کے درمیان ٹکراؤ ایک فطری اور لازمی امر تھا۔ لہذا یہ دو قوتیں اس شدت کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف ٹکرائیں کہ اس کی گونج قیامت تک ہر آنے والی نسل کے دل و دماغ سے ٹکرا ٹکرا کر انہیں بیدار رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی جسکا سارا اعزاز مجلسِ احرارِ اسلام کو جاتا ہے۔ احرار یہ سمجھتے تھے کہ قادیانیوں نے جہاد کو انگریزوں کے ایماء پر حرام قرار دے کر تبلیغ و اشاعت اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے۔ لہذا احرار پوری شدت اور پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھے کہ قادیانی اپنے آقا و مولا انگریز جن کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا کی مدد کے باوجود مسلمانوں کی نگاہ میں کافر ہی نہیں نفرت کا بھی نشان بن کے رہ گئے اور

اب!

"پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں کے مصداق مطلع زیست پر کٹی ہوئی پتنگ کی صورت ہچکولے کھاتے نظر آتے ہیں۔

انگریزوں نے مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے خائف ہو کر قادیانیوں کے مذہبی پلیٹ فارم سے جہاد کو حرام قرار دینے کی ایک اشد ضرورت تھی جو مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے بلادِ اسلامیہ میں جہاں کہیں مسلمان جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر برطانوی استبداد کے خلاف نبرد آزما تھے، قادیانی جماعت نے من حیث الجماعت انگریزوں کی جاسوسی کی، جہاد کو حرام قرار دینے کی تحریک چلائی۔ افغانستان، عراق، مصر، شام حتیٰ کہ روس تک قادیانی اپنے انگریز آقاؤں کے اشارے پر پہنچے اور برطانوی امپیریلزم کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا۔(میری کتاب "تاریخ محاسبۂ قادیانیت" میں اس عنوان سے ایک الگ باب رقم کیا گیا ہے)

اس کے بعد ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں قادیانیوں کا جو کردار رہا ہے وہ بھی احرار کے کام، احرار کے مزاج اور احرار کے مشن کے صریحاً خلاف تھا۔ قادیانی ہندوستان میں کشمیر کو اپنا مرکز بنا کر وہاں اپنے پاؤں جمانا چاہتے تھے۔ تاکہ کشمیر کے مسلمانوں میں اثر و رسوخ حاصل کر کے اپنی سیاست سے مسلمانانِ ہند کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔ اس کے لئے کشمیر کی سرزمین کو اس لئے بھی چنا گیا کہ ان کے غلط اور قرآن کے خلاف مؤقف کے مطابق کشمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام مرقد بھی تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے بظاہر حمایت میں کشمیر کمیٹی میں اپنے آدمیوں کو داخل کر کے پوری کشمیر کمیٹی پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ ابھی قادیانی اپنی اس سازش کے تانے بانے بن ہی رہے تھے کہ احرار ایک مرتبہ پھر قادیانیوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے آکھڑے ہوئے۔ احرار نے ایسی کشمیر کمیٹی جس پر قادیانیوں کا قبضہ تھا کی مخالفت کی۔ علامہ اقبال کو قادیانیوں کے عزائم سے آگاہ کیا جو اس وقت کشمیر کمیٹی کی اعانت کے لئے کمیٹی میں سیکریٹری شپ کے اہم عہدے پر فائز تھے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے قادیانی ریشہ دوانیوں اور انکے خلاف اسلام اور خلاف مسلمان عزائم کے خلاف احتجاجاً استعفاء دیا۔ جس سے مرزا بشیر الدین محمود کے سارے عزائم خاک میں مل گئے جو ہندوستان کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اس کے پروگرام میں شامل تھے۔ اب آپ ذرا غور فرمائیں کہ اس وقت قادیانیوں کے دل پر کیا گذری ہوگی۔ وہ کیسے احرار کو معاف کرسکتے ہیں۔ مسلمانوں میں احرار کے خلاف غلط پراپیگنڈہ ان کے عقائد کا حصہ ہے۔

حالانکہ قادیانی خود درپردہ کانگریس کے ساتھ ساز باز میں مصروف رہے ہیں اور آج بھی بھارتی ایماء اور یہودی امداد کے بل بوتے پر پاکستان کے درپے آزار ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے لاہور میں پنڈت جواہر نہرو کا قادیانیوں نے شاندار استقبال کیا۔ پنڈت نہرو نے علامہ اقبال کے ساتھ قادیانیوں کا وکیل بن کر مناظرہ کیا۔ جس کے جواب میں علامہ اقبال نے پنڈت نہرو کو ان دلائل سے آگاہ کیا جن کی بنا پر انہیں غیر مسلم کہنے کا مسلمانوں کو حق حاصل تھا۔ انہی خطوط میں ہی علامہ اقبال نے قادیانیوں کو اسلام اور ہندوستان دونوں کا غدار قرار دے کر احرار کی تحریک ردِ قادیانیت میں ایک نئی جان پیدا کر دی۔ ریڈ کلف ایوارڈ میں قادیانیوں نے پنڈت نہرو کے ایماء پر کانگریس سے ساز باز کرتے ہوئے اپنا مقدمہ الگ پیش کر کے ضلع گورداس پور جو پہلے پاکستان میں شامل ہو چکا تھا پاکستان سے

علیحدہ کر کے ہندوستان میں شامل کرنے کی راہیں صاف کیں۔ تاکہ پٹھانکوٹ جو گورداس پور ضلع میں شامل تھا کے راستے سے کشمیر اور بھارت کا رابطہ برقرار رہے اسی پٹھانکوٹ کے راستے بعد میں بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل ہوئیں جن کے خلاف کشمیری مسلمان آج بھی جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر نبرد آزما ہیں۔ قیام پاکستان پر مرزا بشیر الدین نے تقسیم کو عارضی قرار دیتے ہوئے دوبارہ ایک ملک بن جانے کی نوید سنائی "اکھنڈ بھارت" کے قادیانی منصوبے کے تحت ایسے خواب اور رویئے بیان کئے گئے جس سے قیام پاکستان کے عارضی ہونے کے تاثرات مسلمان میں پیدا ہوں۔ ایک خواب یہ بھی تھا جو مرزا بشر الدین محمود کی جانب سے ان کے جریدے الفضل میں شائع ہوا۔

"کہ میں ایک چارپائی پر سویا ہوا تھا کہ مہاتما گاندھی میرے پاس آ کر لیٹ گئے لیکن بہت جلد اٹھ کر چلے گئے" اس سے تعبیر یہ نکالی گئی کہ پاکستان ایک عارضی ملک ہے جو بہت جلد پھر ہندوستان میں ضم ہو جائے گا۔

اس طرح کانگریس کے ایماء پر خود پاکستان کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف رہے لیکن طعنے احرار کو دیتے رہے حالانکہ احرار کی تاریخ میں کئی تحریکیں بھارت کے ہندوؤں کے خلاف تھیں، تحریک کپور تھلہ، تحریک کشمیر، تحریک مسجد منزل گاہ سکھر پھر نواکھلی اور بہار کے ہندو مسلم فسادات میں احرار رضاکاروں نے جس ہمت اور شجاعت سے پنجاب سے بہار پہنچ کر مسلمانوں کی مدد کی اسکی مثال نہیں ملتی۔ کانگریس احرار کو اپنا اولین دشمن سمجھتی تھی اس کا اظہار کانگریس نے بار بار اپنے رویے سے بھی کیا اور اپنی زبان سے اس بات کا اقرار بھی کیا۔ جب مجلس احرار اسلام نے ۱۹۳۱ء میں ہندو راجہ کے خلاف تحریک کشمیر کا اعلان کر کے کشمیر پر یلغار کی تو گاندھی نے لندن سے بیان داغا کہ یہ تحریک انگریزوں کے ایماء پر ہندو اور مسلمان کے درمیان نفرت پیدا کرنے کے لئے چلائی گئی ہے اسی طرح کئی مرتبہ گاندھی کی جانب سے احرار کو تشدد کا علم بردار کہا گیا کہ احرار کلہاڑی ساتھ رکھتے ہیں جو تشدد کی علامت ہے حالانکہ میں (گاندھی) عدم تشدد کا قائل ہوں۔ قادیانیوں کا یہ پروپیگنڈہ مسلمانوں میں عارضی طور پر تو کام کر گیا لیکن جھوٹ پر مستقبل طور پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے احرار اور کانگریس کے نام سے اب کتاب چھپ چکی ہے جو محترم رفیق اختر صاحب نے بڑی محنت کے ساتھ ترتیب دی ہے۔ اسے پڑھ کر اس جھوٹ کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ احرار کانگریس سیاسی اتحاد کی بات کہاں تک درست ہے۔ احرار کانگریس کے ایجنٹ تھے یا قادیانی؟ جن کے بارے میں اقبال نے ہندوستان اور اسلام دونوں کے غدار تک کہہ دیا تھا۔ آخر وہ کونسے حالات اور واقعات تھے کہ نہرو جیسی شخصیت قادیانیوں کی وکالت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ کانگریس یہ سمجھتی تھی کہ اگر قادیانی مسلمانوں کو مکمل طور پر گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اسطرح کم از کم ہندوستان کے مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز مکہ اور مدینہ کی بجائے قادیان بن جائے گا اور ہندوستان کے مسلمانوں سے حب الوطنی کا واسطہ دیکر وہ کام لیا جا سکتا ہے جو اس وقت ممکن نہیں کیونکہ مسلمان کو حضور ﷺ کا امتی ہونے کا شرف جب تک حاصل ہے اسے گمراہ کرنا مشکل ہے۔

قادیانیوں کو اس بات کا بھی بڑا قلق ہے کہ احراریوں نے علامہ اقبال جیسی شخصیت ان سے چھین لی۔ قادیانیوں کے خیال کے مطابق علامہ اقبال اچھے خاصے مرزا غلام احمد اور قادیانی جماعت سے متاثر تھے وہ قادیانیوں کے لئے نرم گوشہ بھی رکھتے تھے لیکن علامہ انور کاشمیری، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق آئے دن علامہ اقبال کے پاس آتے اور انہیں اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے رہتے اور بالآخر انہوں نے اقبال

کو ہم سے چھین لیا۔ اس بات کا برملا اظہار علامہ اقبال کے قادیانی بھتیجے اعجاز نے اپنی کتاب "مظلوم اقبال" میں کر دیا ہے۔ چنانچہ قادیانیوں کے ہاں احرار کے خلاف بلا کی شدت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اتنی بڑی شخصیت محض احرار کی کاوش سے ان کے چنگل سے نکل گئی جبکہ مجلس احرار اسلام کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ اتنے بڑے انسان اور پاک و ہند کی اتنی اہم شخصیت علامہ اقبال ان کی کوششوں سے قادیانی اثر و رسوخ سے باہر آ کر اپنی تحریروں سے قادیانیت پر ایک نئے انداز سے تنقید کرتی ہے جس سے قادیانیوں کے قصر خلافت میں زلزلہ برپا ہو جاتا ہے اور ردِ قادیانیت کی تحریک کو ایک نیا انداز اور نیا رخ میسر آتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے احرار کے سینہ پر یہ تمغہ سجا دیا ہے۔ جس پر وہ دنیا میں بھی سرخرو ہیں اور آئندہ انشاء اللہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی سرخرو ہوں گے۔ ہمارا ایمان ہے اللہ جس سے جو چاہے کام لے لیتا ہے" یہ تمغہ احرار کے سینہ پر ہی سجنا تھا سو سج کے رہا۔ ورنہ اقبال اگر خدا نخواستہ قادیانی ہو جاتے تو مسلمانوں کو کتنے بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا اس کے تصور سے بھی ایک مسلمان کا دل کانپ اٹھتا ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری کی تحریک پر ہی علامہ اقبال نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر کے تاریخ محاسبۂ قادیانیت میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ سر فضل حسین وائسرائے کی لجسلیٹو کونسل کے رکن تھے وہ کسی سبب مستعفی ہوئے تو ان کی جگہ سر ظفر اللہ کو مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر نامزد کیا گیا۔ اس پر علامہ اقبال نے کے مجلس احرار اسلام کے اس مطالبہ کی مکمل تائید کی اور احتجاج میں مطالبہ بھی کیا کہ سر ظفر اللہ تو سرے سے مسلمان ہی نہیں لہذا اسکا مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال نے کہا کہ قادیانی جماعت محض سیاسی مراعات حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں میں گھسی ہوئی ہے۔ حالانکہ قادیانی خود مسلمانوں کو مسلمان نہیں بلکہ کافر قرار دیتے ہیں جبکہ مسلمان بھی انہیں کافر کہتے ہیں۔ لہذا قانونی طور پر حکومت وقت کو اس بات کا فیصلہ کرنا چاہئیے کہ قادیانی مسلمان ہیں یا نہیں۔ پھر علامہ انور شاہ کاشمیری نے رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اعزازی بیعت کر کے انہیں امیر شریعت کا خطاب دیا اور قادیانیت کی تحریک میں انہیں مسلمانوں کا امیر مقرر کیا۔ چنانچہ امیر شریعت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبے کو عوامی تحریک میں تبدیل کر دیا اور اب قادیانی قانونی طور پر قیامت تک کے لئے کافر قرار دئیے جا چکے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو مجلس احرار اسلام کا امت مسلمہ کے لئے یہ ایک بہت بڑا کام ہے جس پر دنیا کا ہر مسلمان فخر سے اپنا سر بلند کر سکتا ہے۔ امیر شریعت نے ۱۹۳۴ء میں قادیان فتح کیا جو ہندوستان کے اندر ایک قادیان ریاست بن چکا تھا۔ قادیان کے مسلمان ان کے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکتے باہر سے کوئی مسلمان ان کی مدد کو پہنچ نہیں سکتا تھا وہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے یا پھر ان کی جانب دست تعاون بڑھا کر اخلاق سے متاثر کر کے یا پھر نوکری اور شادی کا لالچ دیکر غرضیکہ ہر طرح سے مسلمانوں کو قادیانی بنانے کی کوشش کی جاتی اور جو مسلمان قادیانیوں کے کنٹرول سے باہر ہوتا نظر آتا اسے بڑی آسانی کے ساتھ قادیانی قتل کر دیتے۔ ایسی صورت میں احرار نے امیر شریعت کی قیادت میں ۱۹۳۴ء میں قادیان داخل ہونے کی سرکاری پابندیوں کو توڑتے ہوئے قادیان سے متصل جگہ پر کانفرنس کی قادیانیوں کے جبر کا جادو توڑا۔ احرار نہ صرف قادیان میں داخل ہوئے بلکہ ایک مضبوط و مستحکم مرکز بھی وہاں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس سے قادیان اور قادیان کے گرد و نواح کے مسلمانوں کو قادیانیوں کے خلاف کام کرنے کا حوصلہ ہوا۔ مولانا

محمد حیات فاتح قادیان اور مولانا عنایت اللہ چشتی قادیان میں احرار کے مرکز کے انچارج تھے جنکی قیادت میں قادیان اور اسکے ارد گرد تبلیغ اسلام کے ذریعے قادیانی دجل اور فریب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا گیا۔ قادیانی یہ سب کچھ کیسے بھول سکتے ہیں۔ احرار نے قادیانیوں کے ہر غلط اقدام اور ہر سازش کو مسلمانوں کی اعانت اور اللہ کے فضل سے ناکام بنا کر رکھ دیا۔

یہ بے وسائل لوگ بھی کیا کام کر گئے
دشمن کو ہر اک گام پہ ناکام کر گئے

قیام پاکستان کے بعد بھی قادیانی عزائم مسلمانوں اور خصوصاً پاکستان کے لئے خطرناک ہی رہے وہ اپنی روایات کے عین مطابق ہر وقت اور ہر لمحہ پاکستان کو ایک قادیانی ریاست بنانے کے خواب دیکھتے رہے۔ وہ اس ملک پر اسی طرح سے قبضہ کرنا چاہتے تھے جس طرح یہودیوں نے امریکہ پر کر رکھا تھا اس کام کے لئے انہیں بیرون ملک دشمنانِ اسلام کی پوری امداد بھی مہیا رہی۔ پاکستان کی کلیدی آسامیوں پر قبضہ کیا گیا۔ فوج میں اپنے آدمی بھرتی کر کے بھی کوشش کی گئی کہ پاکستان پر ان کا مکمل کنٹرول قائم ہو جائے۔ کبھی بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کی کوشش کی گئی تو کبھی مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ تک کہا گیا کہ ۱۹۵۲ء نہ گزرنے پائے ملک میں ایسے حالات پیدا کرو کہ دشمن آغوش احمدیت میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اب وقت آگیا ہے انتقام لیا جائے گا ملا احتشار الحق، ملا عبدالحامد بدایونی، ملا عطاء اللہ شاہ بخاری اور ملا مودودی سے (الفضل کا ریکارڈ پیش کیا جا سکتا ہے) لیکن اس کے باوجود احرار نے قادیانیوں کا یہ خواب بھی پورا نہ ہونے دیا۔ تحریک ۱۹۵۳ء نے ان کے تمام عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ قادیانی نہ تو اسلام کے وفادار ہیں اور نہ ہی پاکستان کے۔ پھر ۱۹۷۴ء کی تحریک میں جو کچھ ہوا۔ پاکستان کے مسلمانوں نے قادیانیوں کے خلاف سوشل بائیکاٹ کر کے جس نفرت کا اظہار کیا یہ سب کچھ دراصل نتیجہ تھا مسلمانوں کی ایک سو سالہ اس تحریک کا جو مختلف اوقات میں مسلمانوں نے قادیانیوں کے خلاف جاری رکھی اور اس تحریک میں مجلس احرار اسلام کا کردار ایک مرکزی اور تاریخی ہے۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا دن پاک و ہند کے مسلمانوں کی سیاسی و دینی تاریخ میں خصوصیت کا حامل ہے جس دن پاکستان کے اندر آئینی اور قانونی طور پر باقاعدہ قومی اسمبلی میں ایک لمبی بحث اور کارروائی کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ یوں علامہ اقبال کے مطالبے جسکو مجلس احرار اسلام نے ایک عوامی تحریک کی صورت دیکر حکومتِ وقت کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے دیرینہ مطالبے کو منظور کرے کو پذیرائی حاصل ہوئی اور وہ پورا ہوا۔ پھر ۱۹۷۶ء میں مجلس احرارِ اسلام کا قافلۂ سخت جاں جانشین امیر شریعت حضرت سید ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ کی قیادت میں ربوہ کی تاریخ میں پہلی بار داخل ہوا اور مسلمانوں کی پہلی مسجد، مسجد احرار کا سنگ بنیاد رکھ کر نماز جمعہ ادا کی۔ آج

یہاں مدرسہ وسکول قائم ہے۔ جس میں مسلمان بچے اور بچیاں اسلام کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۷۴ء امتناعِ قادیانیت آرڈی ننس جاری کر کے قادیانیوں کو اسلام کے نام پر تبلیغ کرنے اور اسلام کے نام پر لٹریچر شائع کرنے پر بھی پابندی لگادی اور یہ قصہ ایک لحاظ سے اپنے انجام کو پہنچا لیکن قادیانی زخمی سانپ کی طرح زہر گھول رہے ہیں اور اپنی تخریبی کارروائیوں کے ذریعے آج بھی پاکستان کو نقصان پہنچانے میں دن رات مصروف نظر آتے ہیں، پاکستان کے موجودہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کو خراب کرنے میں قادیانیوں کا ایک مرکزی کردار ہے جو اپنی روایت کے مطابق اسلام کے اس قلعے پاکستان کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے پر بضد ہیں۔ انہیں اس سلسلے میں بے دین حکومتوں اور خلاف اسلام بین الاقوامی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہے جن میں یہودی اور بھارتی سرفہرست ہیں۔ تل ابیب اور حیفہ ان سازشوں کا مرکز ہیں جہاں پر بیٹھ کر پاکستان کو تباہ کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ یہودیوں کا کروڑوں ڈالر اس منصوبہ بندی پر خرچ ہو رہا ہے ہماری حکومتوں میں بھی امریکہ کے ایماء پر قادیانی ایجنٹ موجود رہے ہیں جنہیں ملکی حالات کو خراب کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ بیرونی مداخلت ہمارے ملک میں خصوصیت کے ساتھ ایک خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ مجلس احرار ان حالات سے غافل نہیں ہے۔ ان شاء اللہ، اللہ خداوند تعالی کے فضل و کرم سے جو کچھ احرار سے بن پڑا ان سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے کرے گی۔ ایک دن ایسا ضرور آئیگا کہ پاکستان کے قادیانیوں کو پاکستان کے آئین کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ آئین پاکستان کی کھلم کھلا خلاف ورزی اب دیر تک جاری نہیں رہے گی۔

آخر میں اتنی گزارش ضرور کروں گا کہ اس داستان کے پڑھ لینے کے بعد بھی قادیانی کو چھوڑئے کسی مسلمان اور پاکستانی کے دل میں احرار کے لئے کوئی کد اور کینہ باقی رہتا ہے تو اس کے لئے ہم دعا ہی کر سکتے ہیں یا پھر اس کاشمیری کی زبان میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ

یارو ہم ایسے لوگوں پر برق ستم لہرانے دو
جتنی گھٹائیں جھوم کے اٹھیں ان سب کو چھا جانے دو
دنیا والے دل والوں کے نام سے اکثر چڑتے ہیں
خونِ دل سے بات بنے گی خونِ دل بہ جانے دو

ڈاکٹر دین محمد فریدی (بھکر)

اور قادیانیت کی تبلیغ رک گئی.......

فنانس بزنس کارپوریشن جہلم برانچ کا منیجر قادیانی آ گیا۔ اور اس نے عملہ پر اپنے منصوعی اخلاق کا اثر ایسا جمایا کہ تمام عملہ اسکا گرویدہ ہو گیا۔ جب یہ کام بہ حسن و خوبی سرانجام پا گیا تو قادیانیت کا اصل کام شروع کر دیا۔ یعنی مسلمان فرقوں کے اختلاف بڑھا چڑھا کر بیان کرنے شروع کر دیئے۔ وہیں مسلمان علماء سے متنفر کرنے کی مہم بھی شروع کر دی۔ جب یہ کام بھی بہ طریق احسن سرانجام دے چکا تو پھر قادیانیت کی تبلیغ کا اصل کام شروع کیا۔ دفتر میں اور پروگرام پر جاتے وقت مرزا طاہر کی تقریر کی کیسٹ سنانی شروع کر دی، اور جب کسی پروگرام میں باہر کے دورہ پر ہوتا تو ڈرائیور کے ذریعے وہی کیسٹیں چلواتا جس سے عملہ اور خاص کر گاڑی کا ڈرائیور قادیانیت سے اچھے خاصے متاثر نظر آنے لگے اور علماء سے متنفر ہونے لگے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور مرزا طاہر کے نام کا بڑا احترام کرنے لگے۔ منیجر بڑا خوش تھا۔ اتفاق سے ڈویژن کا ایڈمن منیجر جہلم کے دورے پر آیا۔ ایڈمن منیجر کے دورے میں وہی گاڑی اس کے زیر استعمال رکھی گئی۔ ایڈمن منیجر دورے پر روانہ ہوا تو ڈرائیور نے حسب عادت مرزا طاہر کی تقریر کا کیسٹ چلا دیا۔ ایڈمن منیجر نے جب تقریر پر غور کیا تو یہ تقریر مرزا طاہر کی قادیانیت کی تبلیغ پر تھی۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر سے کیسٹ نکال کر رکھ دیا۔ ڈرائیور کہنے لگا کہ سر یہ تو مرزا طاہر کی بہترین تقریر ہے اور ہمارے منیجر صاحب تو بڑی توجہ اور شوق سے سنتے ہیں۔ ایڈمن منیجر نے چند کھری کھری منیجر کو سنا دیں اور مرزا طاہر اور مرزا غلام احمد قادیانی کی شان میں "قصیدے" پڑھ دیئے۔ ڈرائیور بچارا خاموش ہو گیا۔ منیجر گاڑی میں ساتھ نہیں تھا۔ جب دورے سے فارغ ہو کر واپس جہلم دفتر پہنچے تو ڈرائیور منیجر کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ سنا کر کہا کہ سر ایڈمن منیجر نے آپ کو گالیاں دیں ہیں۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ منیجر کہنے لگا۔ تاں کی ہوایا جے؟ ڈرائیور نے کہا سر! اس نے جناب مرزا طاہر کو بھی گالیاں دی ہیں۔ منیجر کہنے لگا "پھیر کی ہو گیا جے" ڈرائیور نے کہا کہ جناب بڑا غضب یہ ہوا کہ اس نے حضرت مرزا صاحب کو بھی گالیاں دی ہیں۔ قادیانی منیجر کہنے لگا۔ کہ دیون دیو جی کجھ نئیں ہویا۔" اب ڈرائیور بچارا ہکا بکا کہ اس کے نبی کو گالیاں دی جا رہی ہیں یہ کہتا ہے کہ کجھ نئیں ہویا۔ عجیب بے غیرت ہے۔ خدا نے اسے بچانا تھا فوراً خیال آیا کہ ہمارے علماء صحیح کہتے ہیں کہ قادیانیت جھوٹی ہے یہ کوئی مذہب نہیں۔ اس نے اتنے دن تک ہمیں قادیانیت کی تبلیغ کر کے ہمارا ایمان خراب کیا۔ مرزا کو سچا نبی ثابت کرتا رہا۔ اب گالیاں سن کر کہتا ہے کہ "کجھ نئیں ہویا"۔ ڈرائیور کو بہت غصہ آیا اور اس نے منیجر کا گریبان پکڑ کر کرسی سے اٹھا اور کہنے لگا کہ بے غیرت آدمی تیرے نبی کو کھلی گالیاں دی جا رہی ہیں اور تو "کجھ نئیں ہویا" کہ کر ٹال رہا ہے۔ تو میرے نبی ﷺ کے خلاف اشارۃً بھی بکواس کر کے دیکھ تیرا کیا حشر کرتا ہوں۔ آئندہ اگر تو نے یہاں قادیانیت کی تبلیغ کی تو تیرا برا حشر کرونگا۔ قادیانیت کی تبلیغ بھی میرے نبی ﷺ کی توہین ہے۔ تمہارا مذہب جھوٹا۔ تم جھوٹے مرزا طاہر جھوٹا، مرزا غلام احمد قادیانی لعنتی جھوٹا۔

ڈرائیور جوش میں زور زور سے بول رہا تھا۔ تمام دفتر والے اکٹھے ہو گئے۔ قادیانی منیجر کو ڈرائیور سے چھڑایا۔ اور اس کے بعد دفتر میں قادیانیت کی تبلیغ رک گئی۔

فرنگی سامراج اور قادیانیت کے خلاف مجلسِ احرار اسلام کی خدمات

ذیل کا مضمون ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے بعد کا ہے۔ صاحب مضمون نے اسی تناظر میں اظہار خیال کیا ہے۔ بعض مقامات پر تشنگی کا احساس ہوتا ہے چنانچہ وہاں ضروری حواشی دے دئے ہیں۔
حال ہی میں فیصل آباد سے مولانا مجاہد الحسینی کی زیر ادارت نکلنے والے مجلہ ماہنامہ "صوت الاسلام" میں شائع ہوا ہے۔ جسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر)

اس بات میں کس کو کلام ہے کہ احرار فعال ہیں اور ان کے رگ و پے میں جذبۂ ایمانی اور جوش جہاد کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ جب سے انہوں نے سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھا۔ دین کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ ان کا تعلق واسطہ اور رابطہ قرآن و سنت سے ہی رہا۔ اس کٹھن راہ میں انہیں طرح طرح کے مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ انگریز کے طوق و سلاسل نے ان کے قدموں کی رفتار کو پابند بنانا چاہا، ان کی زبانوں پر مہر سکوت ثبت کرنا چاہی۔ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں نے ان پر عمل کی راہیں مسدود کرنا چاہیں۔ جبر و استداد کے حلقوں نے ان کی سرفروشانہ سرگرمیوں پر محیط ہونا چاہا۔ استعمار و سامراجیت کی آتش فروزاں نے ان کا سکون لوٹا۔ لیکن ان کے پائے استقلال اور مقصد و منتہا میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔

ہزاروں آفتیں سنگ مزاحم بن کے آتی ہیں
مگر مردان حق آگاہ کچھ پروا نہیں کرتے
وہ توپوں کے دہانوں پر بھی سچی بات کہتے ہیں
مگر بھولے سے بھی انجام کو سوچا نہیں کرتے

احرار کے پیش نظر ہمیشہ تین نظریات رہے ہیں۔ (۱) فرنگی کی شاطرانہ چالوں کی پردہ دری (۲) آزادیٔ وطن (۳) رد مرزائیت
برصغیر ہند و پاکستان کی بھی تاریخ لکھی جائے گی تو مورخ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے میں احرار ورکروں اور لیڈروں کے خون کو کس قدر دخل رہا ہے۔ کوئی بالغ النظر اور صحیح الفکر فرد اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ برطانوی سامراجیت کے خلاف جب بھی الاؤ دھکایا گیا احرار نے بلا توقف و تعجل اس میں ایندھن کا کام دیا۔ انگریز کی شاطرانہ چالوں کا پردہ چاک کرنے کا جب بھی وقت آیا سب سے پہلے احرار میدان عمل میں کود پڑے۔ ان کا خمیر سست روی کی مٹی سے نہیں اٹھایا گیا بلکہ وہ طوفان کی طرح بڑھتے رہے اور آتش فرنگ میں چھلانگیں لگا دیں۔

ہمارے ہی تخیل نے بغاوت کی بنا ڈالی
ہماری ہی زباں ہے شارحِ افکار آزادی
ہماری ہی نظر میں سرخیٔ خونِ شہیداں ہے
ہمیں سے ہے نوید جلوۂ دیدارِ آزادی

امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جس عمارت کی بنیاد رکھی تھی اس کو استوار کرنے کے لیے احرار کارکنوں نے اپنی بساط بھر فکر و نظر، اور تحریر و تقریر اور جسم و جان کی قربانی پیش کی۔ ان کا ایک ایک لمحہ اس منزل تک پہنچنے میں صرف ہوا۔ وقت نے ان کے لیے دشواریاں پیدا کیں، حالات نے قہرمانی اور جبروت کے شعلے بلند کیے لیکن ان کے دلوں میں ٹھنڈک نہ آئی، جس علَم کو انہوں نے بلند کیا تھا اس کو جھکنے نہ دیا۔ حتیٰ کہ راہ کٹ گئی اور بالآخر آزادی نے ان کے قدم چومے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احرار نے پوری ایمانداری کے ساتھ ایک حد تک قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہندو، سکھ، فرنگی محور کی عیارانہ چالیں ملت اسلامیہ کو تباہ اور رذیل کرنے پر تلی ہوئی ہیں تو مسلمانوں کے حقوق کی خاطر انہوں نے بعض مواقع پر مسلم لیگ کی حمایت۔ بعض متشدد خیالات لوگوں نے ناک بھوں چڑھالی لیکن وقت اس کا مقتضی تھا کہ مسلمانوں کے حقوق کی خاطر مسلم لیگ کے لیے راہ چھوڑ دی جائے۔

چنانچہ آج احرار پورے فخر کے ساتھ سر بلند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے حصول پاکستان کی راہ میں روڑہ نہ اٹکایا اور قیام پاکستان کے بعد جب ملک کے استحکام و سلامتی کی خاطر انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں سیاست سے الگ ہوجانا چاہیے تو انہوں نے یہ زہر بھی پینا گوارا کرلیا۔ وہ جماعت جس نے جدوجہد آزادی کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کی تھی یوں یکایک میدان سے واپس ہوئی کہ چشم بصیرت ششدر رہ گئی۔ یہ ایک ایسی روح فرسا بات تھی کہ جسے حیرانی سے سنا اور دیکھا گیا لیکن فیصلہ میں کوئی غلطی نہ تھی۔ میدان جنگ میں فوجوں کو کبھی کبھی پسپائی کا حکم بھی دیا جاتا ہے لیکن جنگ ختم نہیں ہوجاتی۔ اور مقصد دفن نہیں ہوجاتا۔ (۱)

بہرحال احرار کی سرگرمیاں صرف تبلیغ دین اور اصلاحی سرگرمیوں تک محدود ہوگئیں۔ حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ آئین شرعی کو ملک میں نافذ العمل کیا جائے۔ اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کو مسلمانوں کے دائرہ سے خارج کر دیا جائے تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھا جائے۔ (۲)

احرار کا یہ مطالبہ..... کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے تاج و تخت ختم نبوت کی حفاظت کے لیے احرار نے کون سی مصیبت کو دعوت نہیں دی۔ کونسی سختی ہے جس کو انہوں نے نہیں جھیلا۔ قادیان کے آہنی حصار..... (IRON CURTAIN) میں کس کے خون کی بوندوں نے شگاف ڈالا؟ اور آج ربوہ کے قادیانی درودیوار کس کے خون سے لرزاں ہیں؟ (۳)

مذہبی علوم و احساسات سے ناآشنا بعض افراد یہ کہہ سکتے ہیں کہ احرار کا یہ مقصد کوئی خاص مقاصد کا حامل نہیں لیکن اس حقیقت کو کسی وقت نہ بھولیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس مسلمانان عالم کی مرکزیت کا روشن ستون ہے۔ اگر آج نعوذ باللہ کسی اور شخص کی نبوت کو تسلیم کرلیا جائے تو ہماری مرکزیت ختم ہوجاتی ہے۔

(۱) مجلس احرار اسلام نے سیاست سے کنارہ کشی کا فیصلہ ۱۹۴۹ء میں لاہور میں کیا اور اپنی سرگرمیوں کو دین اسلام کی تبلیغ، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور وطن کے دفاع و سلامتی کیلئے وقف کر دیا۔ سیاسی میدان اس وقت کی فاتح و حکمران جماعت مسلم لیگ کے سپرد کر دیا اور اسے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا مگر آہ! مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے موقع پر برصغیر کے مسلمانوں سے کیے گئے وعدوں کو ایفا نہ کیا اور نفاذ اسلام کی بجائے اسلامی عقائد و اعمال کو اپنی سیکولر ذہنیت کے تحت مٹانا شروع کر دیا۔ اسلام کے ابدی دشمنوں قادیانیوں کو حکومت پر مسلط کر دیا۔ تب احرار نے پاکستان کو قادیانیوں کے تسلط سے بچانے اور ناموس رسالت کے تحفظ کیلئے ۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت برپا کی اور حکومت کے خلاف راست اقدام کیا۔

(۲) ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے مطالبات تسلیم نہ ہوئے۔ رہنماؤں کو جیلوں میں ٹھونس دیا اور عوام پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے دس ہزار فرزندان توحید کو شہید کر دیا۔ یہ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کا "زریں کارنامہ" ہے۔ تاہم ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے نتیجہ میں یہ مطالبات تسلیم کر لیے گئے اور آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

(۳) الحمدللہ مجلس احرار اسلام کا قافلہ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کی قیادت میں تاریخ میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۵ء میں ربوہ داخل ہوا اور احرار تبلیغ کانفرنس منعقد کر کے مرزائیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ پھر ۱۹۷۶ء میں ربوہ میں مسلمانوں کی پہلی جامع مسجد قائم کی جس کا سنگ بنیاد جانشین امیر شریعت سید ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا۔ یہ مسجد "مسجد احرار" کے نام سے منسوب ہے اور آج یہاں مدرسہ ختم نبوت بھی قائم ہے جس میں ربوہ کے غریب مسلمان بچے اور بچیاں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں......(مدیر)

(بقیہ از ص ۲۶)

خلیفہ سید محمد حسن دیوان آف پٹیالہ برطانیہ حکومت کے معتمد علیہ تھے۔ پنجاب کی وفادار حکومت کے ایڈمنسٹریشن بادشاہ سلامت کی مقرر کردہ کونسل کے معتمد علیہ ہونے کے منصب کے بھی آپ مزے لوٹ رہے تھے۔ خلیفہ صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کی خاطر بڑی حد تک اخلاقی اور مالی تعاون کیا۔ جب ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے پٹیالہ کا دورہ کیا تو اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ بعض اہم معاملات پر گفتگو کرنے کے لئے خلیفہ پٹیالہ نے مرزا کو پٹیالہ آنے کی دوبارہ دعوت دی جہاں اس کا تعارف بادشاہ سلامت کی کونسل کے ارکان سے کرایا گیا جس کے قائد سردار دیوان سنگھ تھے ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی نے ریاست پٹیالہ کا تیسری دفعہ دورہ کیا ان دنوں موصوف اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر چکا تھا۔ ان امور سے کچھ شک ہوتا ہے کہ برطانیہ اور مرزا قادیانی کے مابین اس قادیانی منحوس تحریک کو پروان چڑھانے کے لئے خلیفہ پٹیالہ مالی تعاون دلانے کا ایک خفیہ اور پوشیدہ واسطے کا کردار ادا کر رہا تھا۔ (ملاحظہ ہو کتاب خاتم النبیین ترتیب و پیشکش مصباح الدین راولپنڈی مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

تبرکاتِ اکابر

(۱)

ہم نشیوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول

پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

شاہ جہاں آباد دلی

سید عطاء اللہ

۱۰ اپریل ۱۹۵۶ ملتان شہر

(۲)

تو کی آفتاب چشم جمال تست روشن

اگرم ترا نبینم بہ کہ دیدہ باز دارم

بقلم محمد گل شیر از جامیر تحصیل

ڈاکخانہ ... منرق

خاندیس

علاقہ

بمبئی

(۳)

با انتظار تشریف آوری تمام ...

دعا گو

قاضی احسان احمد

۱۲ مئی ۱۹۵۶

منٹگمری

(۴)

۱۹۵۶

ہم ہیں کہ امید تھی بہاروں کی

ان کو گلشن میں آشیاں نہ ملا

تاج الدین انصاری

---

(۱) حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

(۲) حضرت مولانا محمد گل شیر شہید رحمہ اللہ

(۳) حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ

(۴) ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ

کچھ بھولی بسری باتیں

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

بانگ درا میں ایک نظم جس کا عنوان ہے "خطاب بہ نوجوانانِ اسلام" اس کا ایک شعر ہے

گنوا دی ہم نے، اسلاف سے جو میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

وہ اسلاف کون تھے؟ اور ان کی میراث کیا تھی؟ نسل نو اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ قدیم درس گاہوں کے طلبہ ہوں یا جدید تعلیمی اداروں کے تلاندہ، دونوں اس مسئلہ سے بے خبر اور تقریباً لاتعلق سے ہیں۔

راقم السطور، مختلف تعلیمی بورڈز سے بحیثیت ممتحن و صدر ممتحن، متعلق رہا ہے۔ ذاتی تجربہ میں عجیب عجیب مضحکہ خیز لطائف آئے۔ فاضل عربی کے ایک امیدوار نے عربی زبان میں ایک مضمون لکھا تھا۔ عنوان سے کسی تعلق کے بغیر کہیں سورہ فاتحہ، کہیں سورہ اخلاص اور کہیں کچھ لکھ کر صفحے پر کرنے کی کوشش کی۔ ایمان مفصل بھی نقل کیا۔ اس کی املاء ملاحظہ ہو۔" آمنتُو باللہ وَ مَلائکتَھِی وَ کُتُبِھِی...... وَالبَاسِ بَادَل مَوت"

سیکنڈری ایجوکیشن کے ایک امتحان میں کئی امیدواروں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی مثالیں دیتے ہوئے ابوبکر علیہ السلام، عمر علیہ السلام، علی علیہ السلام، حسین علیہ السلام لکھا اور ایک امیدوار نے تو غضب کر دیا لکھا: فرعون علیہ السلام العیاذ باللہ اخبارات میں وقتاً فوقتاً پبلک سروس کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے امیدواروں کے لطائف آتے رہتے ہیں۔

اقبال مرحوم بڑے آدمی تھے۔ وہ تو پھر بھی کہہ سکتے تھے......ع

شکایت ہے یارب مجھے خداوندان مکتب سے

ہم گنہگاروں کی کیا مجال کہ معماران قوم کے بارے میں حرف شکایت زبان پر لاسکیں؟ تاہم......ع

دل ہی تو ہے، نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں

یوں نئی نسل کی بے اعتنائی اور لاتعلقی دیکھ کر دل ہمارا بھی تلملا اٹھتا ہے۔ قلب و جگر میں درد سا ہونے لگتا ہے اور آہ نکل ہی جاتی ہے۔ پھر قصور صرف نوخیز نسل ہی کا نہیں یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ یہ نصاب تعلیم، قومی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے؟ یہ نظام تعلیم ملی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے؟ اس لئے حضرت علامہ نے فرمایا تھا:

گلا تو گھونٹ دیا، اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدائے لا الٰہ الا اللہ

اسی کمی کو ایک حد تک پورا کرنے کے لئے ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اعلیٰ تعلیم کے تمام امتحانات میں اسلامیات لازمی اور مطالعہ پاکستان کا پرچہ شامل نصاب کیا گیا۔ ہم کہاں تک اس بات کو طول دیں۔ برسبیل تذکرہ یہ چند جملے

نوک قلم پر آگئے ہیں اب ہم اپنے مطلب کی طرف آتے ہیں۔

ایک لمحہ فکریہ:

گلستان اندلس مرحوم (موجودہ نام سپین یا ہسپانیہ) جس کی ڈالیوں میں کم و بیش ایک ہزار سال تک ہمارا آشیانہ رہا۔ اس میں باد مرمر چلی۔ عیسائی انقلاب آیا۔ تو وہاں سے نہ صرف مسلمانوں کو دیس نکالا دیا گیا۔ بلکہ "اسلام" کو بھی رخصت کر دیا گیا۔ مگر کیا وجہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند پر انگریزی راج مسلط ہوا اور لگ بھگ ڈیڑھ دو سو سال تک یہاں انگریز حکمران رہا۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ

ا) عامۃ المسلمین کے منہ سے لقمہ اور تن سے کپڑا چھین لیا گیا۔ مصنوعی قحط سے وقتاً فوقتاً ان پر بلیات نازل کی گئیں

ب) مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کر کے، ان کے مقابلہ میں ہندوؤں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ج) ایسٹ انڈیا کمپنی سرکار کی تحویل میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی گئی۔ انگلستان سے پادری در آمد کئے گئے۔ جن کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے عقائد سے بدظن کیا۔ انہیں عیسائی بنانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور صرف کیا۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی شکم پرور مولوی تک تحریک ارتداد کا شکار ہو گئے۔

د) انگریز کو اقتدار منتقل ہوا تو ہندو آٹھ سو سال کا ادھار وصول کرنے کے لئے میدان میں کود پڑا۔ شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریکیں اسی کا شاخسانہ ہیں۔

ان سب حقائق اور واقعات کے باوجود برصغیر میں مسلمانوں کا قومی اور ملی وجود باقی رہا اور نہ صرف باقی رہا بلکہ دھوم دھڑکے سے باقی رہا تا آنکہ ان کا یہی ملی وجود اور بقاء تحریک پاکستان کی اساس بناء جس کے نتیجہ میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک عالمی نقشے پر ابھر کر سامنے آیا۔

برصغیر ہند کی تاریخ، اندلس سے مختلف رہی تو کیوں؟ اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟ وہ کون لوگ تھے جن کی سرگرمیاں، انگریز کے ناپاک ارادوں کے لئے سدراہ ثابت ہوئیں؟ جن کے ایثار و قربانی کے قصے آج بھی مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اور جن کی بسالت و شجاعت کی داستانیں آج بھی نسل نو کے لہو کو گرما سکتی ہیں۔

ہم رونا اسی بات کا روتے ہیں کہ جب ایک طالب علم تاریخ کی ورق گردانی کرتا ہے تو اسے سراج الدولہ کی شکست، میسور کی جنگوں اور سلطان ٹیپو کی شہادت، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، قیام مسلم لیگ، علامہ اقبال کے خطبۂ صدارت، قائد اعظم اور تحریک پاکستان کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ سراسر تعلیم کے ارباب حل و عقد کی تنگ نظری، غفلت اور ناقدری کی دلیل ہے۔

اکنوں کرادماغ کہ پُرسد زباغباں
کہ بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

زندہ قومیں اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہیں، اپنی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے رہنماؤں کے کارناموں کو دہراتی رہتی ہیں ان کی یادگاریں قائم کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ، ہم اور تو کچھ نہیں کر سکتے، آئیے کم از کم ایسے زعماء کے حالات پڑھ کر دیکھیں۔ جن کے زندۂ جاوید عظیم الشان کارنامے ہماری ملی تاریخ کا سرمایہ ہیں۔

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون

مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی:

جلدی نہ کیجیئے "مولانا" کے لفظ سے کہیں ان آئمہ مساجد کا تصور نہ آجائے جو تعلیم الاسلام یا رسالہ رکن دین پڑھ کر کسی مسجد میں پانچ چھے سو روپے ماہوار پر امامت کی ڈیوٹی سنبھال لیتے ہیں۔ جن کی مولویت کے صرف دو رکن ہوتے ہیں۔ چہرے پر شرعی داڑھی اور سر پر رومال یا عمامہ۔ اس میں شک نہیں کہ بجائے خود یہ بھی امور شروعہ اور کارہائے ثواب ہیں، لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بیشتر امام صاحبان نمازیوں کی علمی ضروریات پوری نہیں کرسکتے نہ کوئی مسئلہ صحیح بتاسکتے ہیں۔ نہ کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ صحیح کرسکتے ہیں۔ نہ ان میں کردار کی بلندی نظر آتی ہے ۔ نہ نظر و فکر میں وسعت ہوتی ہے۔ تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ یہ رائے قائم کرلیتا ہے کہ علماء سب کے سب ایسے ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ دراصل ائمہ مساجد کے اس طبقہ "علماء" کہنا ہی بجائے خود غلط ہے۔

خاندان، پیدائش اور تعلیم و تربیت:

ہمارے ممدوح، حضرت مولانا احمد اللہ شہید نسباً سید تھے۔ ان کے پردادا ابوالحسن تاناشاہ والیٔ گولکنڈا اور دادا جلال الدین عادل تھے۔ والد بزرگوار، مولانا محمد علی سلطان ٹیپو شہید کے مصاحبین میں سے تھے۔ آپ کا بچپن ناز و نعم سے گذرا۔ اونچے گھرانے کے فرد ہونے کی حیثیت سے آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ عنفوان شباب ہی میں کتابی علم کے علاوہ فنون سپہ گری کی تربیت حاصل کی۔

جوانی:

بچپن ہی سے آپ سلطان ٹیپو کی شہادت، دشمن کی عیاری اور اپنوں کی بے وفائی کی داستانیں سنتے آرہے تھے۔ میسور اور مدراس کے مسلمانوں کی زبوں حالی، مالدار طبقے کے لوگوں کا بھکاری بن کر در بدر پھرنے کا نقشہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ دل دردمند میں ایک ابال اٹھا۔ ریاست کے دھندوں سے آزاد ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان دنوں مرہٹے نظام دکن کے لئے درد سر بنے ہوئے تھے۔ مولانا احمد اللہ نے دکن پہنچ کر فوج میں شمولیت اختیار کرلی۔ اپنی شجاعت اور دانش مندی سے مرہٹوں کے ارادے ناکام بنادیئے۔ غالباً انہی ایام میں نظام دکن نے آپ کو "دلاور جنگ" کا خطاب دیا۔

سیاحت اور سفر حج:

کچھ عرصہ بعد آپ نے یورپ کا سفر اختیار کیا۔ شاہ انگلستان کے دربار میں انکی خاصی پذیرائی ہوئی اور وہ بغور انگریز کی سیاست کا مطالعہ کرتے رہے۔ یورپ سے واپسی پر مصر سے ہوتے ہوئے زیارت حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفاً) سے مشرف ہوئے۔ پھر ایران سے ہوتے ہوئے برصغیر میں واپس پہنچے۔

زہد و ریاضت اور سلسلہ بیعت:

جاہ و منصب سے تو دل پہلے ہی اچاٹ ہوچکا تھا انگریزوں کی چیرہ دستیاں اور مسلم عمائدین کی سرد مہری دیکھ کر مولانا کی طبیعت بجھی بجھی سی رہتی تھی مختلف مشائخ طریقت کے پاس حاضر ہو کر ان سے استفاضہ کرتے رہے تاہم ابھی گوہر مراد ہاتھ نہیں آیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ گوالیار کے ایک بزرگ حضرت محراب شاہ قلندر کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے دست بیعت ہوئے۔ مرشد نے شرط لگائی کہ زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کرنی ہوگی۔ تھوڑے

ہی دنوں میں ورد اوراد کی تعلیم کے ساتھ انہیں خلافت سے سرفراز فرما کر رخصت کر دیا۔

اصلاحی سفر:

گوالیار سے رخصت ہو کر آپ اصلاح خلق اور تحریک جہاد کے سلسلہ میں مختلف شہروں میں گئے۔ دہلی کے بعد آپ نے آگرہ کو اپنا مستقر بنایا۔ آپ نے دیکھا کہ مغل شہزادے اپنی عیاشیوں میں مگن ہیں۔ علماء و صوفیاء کی روش عموماً یاس انگیز نظر آئی۔ یا تو شکمی مسائل ان کے دل و دماغ پر محیط تھے یا جاہ طلبی اور نام نمود کے مذموم مقاصد ان کے پیش نظر تھے۔

مولانا خود ایک ہر دلعزیز عالم تھے۔ ان کی خطابت عوام کے علاوہ خواص میں بہت پسند کی جاتی تھی۔ ان کی تقریر سننے کے لئے ہزاروں کا مجمع لگ جاتا۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آگرے میں اقامت کے دوران ان کے اثر و رسوخ سے خائف ہو کر ایک مرتبہ مجسٹریٹ نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ مگر پولیس انہیں گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکی، بلکہ صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ کچھ علماء اور مشائخ تو پیشہ ورانہ رقابت اور معاصرانہ چشمک کی وجہ سے مولانا کے ہم نوا نہ ہو سکے۔ جن حضرات نے فکری اور ذہنی اتفاق کیا، ان پر بھی انگریزی حکام کو مولانا کی موجودگی میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب ادھر ادھر ہوئے تو جھوٹے مقدمے بنا کر مولانا کے ہم نوا علماء کو قید و بند میں ڈال دیا گیا۔

پادری فنڈر کا فتنہ اور اس کا دفاع:

پہلے بھی اشارتاً عرض کیا جا چکا ہے کہ کمپنی کی حکومت کا تسلط ہوا تو سرکاری سرپرستی میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کھلم کھلا ہونے لگی۔ مسیحی لٹریچر دھڑا دھڑ بازار میں آنے لگا۔ نادار مسلمانوں کے ایمان کی بولی لگ رہی تھی۔ عیسائی مبلغین کھل کر اسلام کی تردید اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے پھرتے تھے۔ انیسویں صدی کے وسط میں پادری فنڈر یورپ سے ہندوستان پہنچا۔ وہ عربی فارسی زبانوں کے علاوہ اسلامی علوم و فنون سے بھی خاصی واقفیت رکھتا تھا۔ اس کم بخت نے "میزان حق" نامی ایک کتاب لکھی جس میں مسیحیت کی حقانیت اور اسلام کے ابطال پر لکھ کر علماء اسلام کو للکارا۔ علماء حق اس صورت حال سے نہایت بے چین تھے۔ ادھر سلطنت گئی۔ ادھر دین بھی ہاتھوں سے جاتا نظر آنے لگا۔

مولانا احمد اللہ شاہ اور ان کے احباب کی دلچسپی سے ۱۸۵۵ میں آگرہ کے شہر میں مناظرہ ہوا۔ کیرانہ (یو پی) کے ایک نامور عالم حضرت مولانا رحمت اللہ مسلمانوں کی طرف سے پیش ہوئے۔ فنڈر کو شکست فاش ہوئی۔ یہاں تک کہ اپنی رسوائی پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ آگرہ سے چلتا بنا۔

اس واقعہ سے بارہ سال بعد یہی پادری قسطنطنیہ (ترکی) پہنچا۔ حضرت رحمت اللہ کیرانوی اس وقت مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ حضرت کو وہاں سے بلایا گیا۔ وہاں بھی پادری فنڈر کو روسیاہ ہونا پڑا۔ مولانا رحمت اللہ مناظرۂ قسطنطنیہ سے بیس سال بعد مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ مکہ مکرمہ کا مدرسہ صولتیہ انہی کی یادگار ہے۔ یہ ادارہ آج بھی وہاں پر شاندار دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

جملۂ معترضہ:

انگریز، اپنی رواداری اور اخلاقی شرافت کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ ان کی شرافت کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو کہ

حضرت مولانا رحمت اللہ کی ہجرت کے بعد انگریزی حکومت نے ان کی جائداد پر قبضہ کر لیا اور اپنی آتش انتقام کی تسکین کے لئے ان کے مکان کو بنیادوں کی حد تک کھود کر اس پر ہل چلوا دیئے۔

مولانا احمد اللہ شاہ کی مجاہدانہ سرگرمیاں:

اب اپنے شیخ کی اجازت سے حضرت شاہ صاحب نے آگرہ سے لکھنؤ کا رخ کیا۔ مریدین کی بھاری جمعیت آپ کے ساتھ تھی۔ کانپور سے ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔ یہاں کے مسلمانوں میں آپ کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ سلسلۂ ارشاد و ہدایت کے علاوہ آپ کی خطابت رنگ لائی۔ اس دوران میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پیش آئی۔ میرٹھ کی چھاؤنی سے آغاز ہوا۔ انگریزوں کے خلاف غیظ و غضب دلوں میں پہلے سے موجود تھا چند ہی ایام میں جگہ جگہ بغاوت کے شعلے بلند ہونے لگے۔

لکھنؤ کے نواب واجد علی شاہ کو انگریزوں نے ۱۸۵۶ میں معزول کر دیا تھا۔ اس کے دس سال کے بیٹے برجیس قدر کو تخت پر بٹھا دیا۔ جس کی والدہ حضرت محل سربراہ مقرر ہوئی۔ مگر زیادہ تر اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خان کے پاس تھے۔ لکھنؤ کے عوام برجیس قدر کی تخت نشینی سے خوش نہ تھے۔ انہوں نے عملاً حضرت احمد اللہ شاہ کو اپنا فرماں روا بنالیا۔ یوں تو ناصر الدولہ بھی انگریزوں کے خلاف تھا۔ مگر وہ روپے پیسے کا بڑا لالچی تھا۔ لوٹ کھسوٹ نے اسے بدنام کر دیا۔ اس کے برخلاف حضرت احمد اللہ شاہ رحم دل، عدل گیر اور ہمدرد مزاج تھے۔ اب لکھنؤ میں دو متوازی حکومتیں چل رہی تھیں۔ کانپور، الٰہ آباد اور فیض آباد وغیرہ کے لوگ بھی شاہ صاحب کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ یوں انہوں نے ایک بھاری فوج بنالی۔ بہادر شاہ ظفر کا بھائی مرزا کوچک سلطان، اس کا نواسہ فیروز شاہ اور جرنیل بخت خاں و دیگر علماء اپنے اپنے مجاہد دستوں کے ہمراہ لکھنؤ پہنچ گئے۔

انگریزی فوجوں نے دہلی کی کارروائی سے فارغ ہو کر لکھنؤ کا رخ کیا۔ یہاں کئی محاذوں پر مجاہدین اور انگریزوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مجاہدین کی طاقت دو حصوں میں منقسم تھی۔ ہم آہنگی کے فقدان نے انگریزوں کو کئی معرکوں میں شکست کھانے کے باوجود ابھرنے کا موقعہ دیا۔ ناصر الدولہ اور حضرت محل نے فرار کی راہ اختیار کی۔ نتیجتاً حضرت شاہ صاحب، شہزادہ فیروز اور جرنیل بخت خان کے ہمراہ شاہ جہاں پور کو روانہ ہوگئے۔ مئی ۱۸۵۸ء میں یہاں انگریزی افواج سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ قرب و جوار میں حضرت شاہ صاحب کی حکومت قائم ہوگئی۔ بدقسمتی کی بات کہ فیروز شاہ خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کی روش منافقانہ رہی۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ غیروں کی دشمنی سے زیادہ اپنوں کی بے وفائی نے نقصان پہنچایا۔ چنانچہ اب شاہ صاحب کے لئے حالات سخت ہوگئے۔ انہیں اپنی عملداری سے نکلنا پڑا۔ ادھر انگریزوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص انہیں گرفتار کر کے زندہ یا ان کا سر لادے تو اسے پچاس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

شہادت: روپوشی کی شکل میں پھرتے پھراتے جون ۱۸۵۸ء میں حضرت شاہ صاحب پوائن کے راجہ بلدیو سنگھ کے بلاوے پر اس کے ہاں پہنچ گئے۔ انعام کے لالچ میں بلدیو سنگھ اور اس کے بھائی نے گولیوں سے آپ کا سینہ چھلنی کر دیا۔ بلدیو سنگھ نے آپ کا سر کاٹ کر حکام کمپنی کے پیش کیا اور اعلان شدہ انعام وصول کیا۔ آپ کی نعش کو آگ میں جلا دیا گیا۔ سر ایک عرصے تک شاہجہاں پور کی کوتوالی میں لٹکا رہا۔ بعد میں اسے ایک مسجد کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

آغا شورش کاشمیری مرحوم

شخصیت

تحریک آزادی کا گمنام مجاہد حکیم غوث محمد جام پوری مرحوم

ڈیرہ غازی خان کا ضلع پنجاب کے اضلاع میں سب سے پسماندہ ضلع ہے۔ اس ضلع کے "خداوند"...... دوچار خاندان ہیں، جن کے قبضہ میں کئی کئی ہزار ایکڑ زمین ہے۔ عام باشندے انتہائی نادار ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان خداوندوں کے کھیت کی کھاد ہیں۔

ہر سردار اور سردار زادہ اپنے تئیں "مامور من اللہ" سمجھتا ہے۔ ان کی دراز داڑھیاں، گھیرے دار چولے اور گنبد نما پگڑیاں قہاری کے کتبے ہیں، جن پر "انا ربکم الاعلیٰ" کے سے حروف الفاظ کھدے ہوئے ہیں۔ لوگوں میں سیاسی سمجھ بوجھ نام کو نہیں، البتہ معاشرت کا ایک خاص نقشہ ہے اور لوگ سختی سے اس کی پابندی کرتے ہیں۔ زبان پنجابی سے مختلف اور بلوچی سے قریب تر ہے۔ لہجۂ سخن اور تہذیب لسان کو اوصاف انسانی کا جزو سمجھا جاتا ہے...... یہاں گالی بکنا سنگین لسانی جرم ہے اور اس پر ایک دوسرے کی ناک کاٹ دی جاتی ہے۔ اگر کہیں دو گھروں میں، باہمی آویزش ہوجائے اور ایک گھر کی عورتیں دوسرے کی عورتوں پر اظہار ناراضی کریں تو ان کے غصہ کا آخری پارہ اس درجہ میں پہنچکر ٹھنڈا ہوجاتا ہے کہ "گھڑے دا پانی نہ کھٹی...... جھگا مسیت تھی وی"...... یعنی تیرے گھڑے کا پانی کم نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پینے والا کوئی نہ رہے اور دوسرے کے معنیٰ یہ ہیں کہ تیرا مکان مسجد بن جائے یعنی مکان کے مکین نہ رہیں۔

لیڈر رہا ہو کر آتے ہیں تو لوگ ان کی مٹھیاں گرم کرتے ہیں، ہار پہناتے ہیں، بوسہ دیتے ہیں، پاؤں چومتے ہیں اور گھی کے کنستر سے لیکر پاؤں کی جوتی تک نذر کرتے ہیں اور لیڈر زعم خود سمجھتا ہے گگ ہذا من فضل ربی لگ لیکن رضا کار قید میں چکی پیسے، خون اگلے، باہر آئے تو لیڈروں کے پاؤں داب، سر پر تیل کی مالش کرے، جوتی کو پالش کرے، اور جب لیڈر کا دستر خوان بچھے تو پنکھا ہلائے، یا پانی پلائے اور ..... صلہ ..... لیڈر کے ایک ڈکار کے ساتھ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

لیکن اس ضلع کے رگ و ریشے میں جہاں "سرداروں" کی والہانہ تابعیت کا لہو دوڑتا ہے، وہاں پیر پرستی کی وبا بھی عام ہے اور ضعیف الاعتقاد لوگ سید اور پیر کے نام پر یوں مرتے ہیں جیسے بھونرا شمع پر یا بلی چھیچھڑوں پر۔

حکیم غوث محمد اسی ضلع کے ایک قصبہ "جام پور" کے رہنے والے ہیں۔ اتفاق سے دوچار بیگھے زمین بھی ہے، مگر دو بھائی ہیں، اور پھر بفضل تعالیٰ دونوں عیالدار۔ اس زمانے میں دو بیگھے زمین سے سرکاری واجبات ادا کرنے کے بعد دو گھروں کے اخراجات کا پورا ہونا سخت دشوار، بلکہ قریب قریب ناممکن ہے اور

غالباً یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۱ء میں حکیم صاحب اپنے گاؤں سے اٹھ کر لاہور چلے آئے۔ اور چاہا کہ یہاں کوئی نوکری ڈھونڈیں، مگر نوکری کہاں؟ جانے جی میں کیا سمائی کہ مدرسہ نعمانیہ میں دینی علوم کی تحصیل کے لئے داخل ہوگئے۔ اسی اثناء میں احرار نے تحریک کشمیر کا آغاز کیا۔ آپ بھی دوسرے طالب علموں کے ساتھ جلسوں میں شریک ہونے لگے۔ سید عطاء اللہ بخاری کی تقریر نے لپیٹ لیا اور تعلیم کو طاق نسیان پر رکھ کر دفتر احرار میں آن بیٹھے، رفتہ رفتہ دفتر کے محاسب ہوگئے۔ اور پھر اپنی دیانت و محنت کی بدولت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے معتمد علیہ بن گئے۔ شاہ جی عموماً اپنے ساتھ ایک خادم رکھا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کی آرزو اور شاہ جی کی ضرورت نے موقع پیدا کر دیا اور آپ آج کل کی اصطلاح میں شاہ جی کے پرائیویٹ سیکرٹری ہوگئے۔ اس دن سے اب تک احرار کے ساتھ ہیں۔ کئی موسم بدلے، کئی ہوائیں آئیں، کئی مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا اور کئی دفعہ حالات نے تلخیاں بھی فراہم کر دیں، لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اب تک اپنی جگہ پر قائم ہیں اور سب چیزوں کو صرف ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں، یعنی وہ اپنی نظر کو حالات کے ساتھ نہیں چلاتے بلکہ چاہتے ہیں کہ حالات ان کے نظر کے ساتھ چلیں۔ پہلی دفعہ تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء میں قید ہوئے، لیکن قید کا زمانہ کچھ زیادہ لمبا نہ تھا۔ پھر تحریک تحفظ ختم نبوت میں گئے۔ مگر یہ زمانہ بھی مختصر ہی تھا۔

چودھری افضل حق مرحوم مردم شناس بزرگ تھے۔ انہوں نے مرکزی دفتر (لاہور) کا نگران مقرر کردیا۔ اور پھر ماتحت جماعتوں کا محاسب، لیکن یار لوگ برداشت نہ کرسکے۔ پہلے تو آپ کی سخت گیری پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ پھر آپ کی گرہ سے باتیں باندھی جانے لگیں۔ مگر آپ نے روش نہ بدلی۔ جب ایک دو لیڈروں کو ان کی بدعنوانیوں پر ٹوکا۔ تو وہ ذرا بدکے۔ حتیٰ کہ ان کے دل میں ایک غبار سا بیٹھ گیا۔ آپ نے ان کی ناراضی کا مقابلہ کرنے کی بجائے استعفیٰ دے دیا۔ اور گھر چلے گئے۔ ادھر شاہ جی پھرتے پھراتے لاہور پہنچے۔ تو وہ آپ کو دفتر میں نہ پاکر سخت خفا ہوئے۔ فوراً بلا بھیجا اور اپنے ساتھ لے گئے اور پھر کئی سال تک ان کے ہمراہ رہے۔ جس زمانے میں ہٹلر نے ڈنزگ کے محاذ پر جنگ چھیڑی تو اس سے چند ہی دن پہلے شاہ جی گرفتار ہوچکے تھے۔ حکیم صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے لائل پور پہنچے۔ اور وہاں غالباً کسی قصبہ میں فوجی بھرتی کے خلاف عاملہ احرار کے فیصلہ کی تائید میں ایک دھواں دھار تقریر جھاڑ دی۔ پولیس نے وہیں پکڑ لیا۔ عدالت میں پیش کئے گئے۔ اسی عدالت میں میرا مقدمہ بھی تھا۔ اور جرم دونوں کا ایک۔ مجسٹریٹ ایک سکھ جنٹلمین تھا۔ سب سے پہلے مجھے حکم سنایا گیا۔ آپ نے تسلیم کیا ہے کہ آپ نے لوگوں کو فوج میں بھرتی نہ ہونے کے لئے کہا ہے۔ لہٰذا دو سال قید۔ مجھے اس کا افسوس ہے..... پھر حکیم غوث محمد کو بلایا۔ حکیم صاحب کا بیان مانگا۔ حکیم صاحب نے جواب میں ایک پر جوش تقریر کی، ملخص یہ تھا۔ ''سردار جی سوال یہ نہیں کہ ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کیا کہتا ہے سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں خداوند عزوجل کے احکام کیا ہیں؟ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ استغاثہ میرے لئے کیا سوچتا ہے، مجھے اگر کوئی شے محبوب ہے تو وہ اپنی جماعت کا فیصلہ ہے۔ ایک طرف سرکار ہے، ایک طرف احرار، ایک طرف ملک ہے اور ایک طرف برطانیہ، ظاہر ہے کہ

میرا رشتہ احرار سے ہے اور میری وفاداری اپنے ملک سے ہے۔ میں اسی لئے جیتا ہوں کہ برطانوی نظام کی شہ رگ کاٹوں۔ اور میں نے اسی نصب العین کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اس جنگ میں بھرتی نہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ مجسٹریٹ کی پیشانی پر بل آگیا۔ قلم کو جنبش دی اور کہا کہ "گویا آپ اعتراف کرتے ہیں کہ آپ نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی خلاف ورزی کی ہے...... "جی ہاں" حکیم صاحب نے کہا۔ "تو پھر میں آپ کو تین سال قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔ مجسٹریٹ نے فیصلہ سنایا۔ پولیس نے دونوں ہاتھوں کی ہتھکڑی کو کھڑکھڑایا اور کہا آئیے۔ جیل خانے کی لاری انتظار میں کھڑی ہے۔ حکیم صاحب نے الحمد للہ کہا اور مجسٹریٹ سے گلہ کیا کہ آپ نے میرے لئے اتنی حقیر سزا کیوں تجویز کی ہے؟ حکیم صاحب کے بعد تاندلیانوالہ کے دو رضا کار پیش ہوئے۔ مجسٹریٹ نے ان سے پوچھا بھئی تم نے کیا کہا تھا؟" جی ہم نے کہا تھا" نہ لینی اے نہ لین دینی اے۔" مجسٹریٹ نے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے؟ "بس جی یہی...... نہ لینی اے نہ لین دینی اے"۔ سرکاری وکیل نے توضیح کرنی چاہی کہ ان کا مطلب فوجی بھرتی سے ہے۔ مگر مجسٹریٹ نے روک دیا۔ اور ملزموں ہی سے دریافت کیا۔ ملزم اپنی بات سے آگے نہ بڑھے، مجسٹریٹ نے فوراً مجھے طلب کیا اور واقعہ سے باخبر کیا۔ اور کہا کہ انہیں سمجھاؤ تمہاری تحریک ابھی ابتداء میں ہے۔ کہیں اسے آغاز ہی میں دھکا نہ لگے۔ میں چند مہینے کی سزا کردونگا۔ میں نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانے مجسٹریٹ نے ایک بھرپور فیصلہ لکھا اور سب کو چار چار سال قید کی سزا دے دی۔ ان سزاؤں کے بعد حکیم صاحب کو فیروزپور جیل بھیج دیا گیا۔ اور میں دوسرے مقدمہ کے لئے ملتان پہنچ گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر لاہور سے پانچ سال کا زمانہ گزارنے کے لئے منٹگمری (ساہیوال) جیل منتقل ہوگیا۔ وہاں پہنچا تو حکیم صاحب، صوفی عنایت محمد پسروری، مولانا محمد گلشیر وغیرہ کے ساتھ موجود تھے۔ سب دوست احتراماً پیش آئے۔ لیکن حکیم صاحب نے تو میری خدمت اور عزت میں انتہا کردی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی کی اصلیت کا پتہ مصیبت کے وقت چلتا ہے اور جیل خانہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ اور اس بات کا پتہ لگ جاتا ہے کہ کون کس حوصلے اور جگرے کا انسان ہے اور اس کی ذات میں ذلت اور شرافت کا جوہر کتنا ہے۔ بڑے بڑے لیڈر جیل خانے میں جا کر اپنے معتقدین کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو اسمبلی میں بیٹھ کر بیشتر ممبر اپنے ووٹروں سے کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اکثر لیڈر جیل خانے میں ایک معمولی سطح کے انسان سے بھی گرے ہوئے پائے گئے ہیں۔ حکیم صاحب کا حوصلہ اور ظرف اتنا اونچا تھا کہ ہر ایک کے لئے قابل رشک تھے۔ آپ کی عمر اس وقت پینتالیس سے ایک سال اوپر یا ایک سال کم ہے مگر حالات کے برش نے چہرے کی جھریوں میں بوڑھی عمر کی افسردگی کا پینٹ کر دیا ہے۔ رنگ سیاہی مائل گندمی ہے، قد دراز ہے سر پیشانی کی طرف سے گول اور پیچھے سے چپٹا ہے، آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن ان میں اخلاص کی جھلک نظر آتی ہے۔ دایاں ہاتھ جیل خانے میں چکی پیستے ہوئے فالج کا شکار ہوگیا جس سے مٹھی بند نہیں ہوسکی اور ہاتھ ہر آن پھیلا رہتا ہے وضع قطع بالکل سادہ ہے اور خوراک پوشاک اس سے بھی سادہ، کوئی

شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ زندگی میں انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہو، یا غیبت کی ہو۔ ہمیشہ دوستوں کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا اور دشمنوں کی غلطیوں کو معاف کیا ہے۔ بایں ہمہ کہ ایک ہاتھ ناکارہ تھا مگر جیل خانہ میں اپنے دوستوں کے برتن مانجھتے بالخصوص میرا خاص خیال رکھتے۔ دونوں وقت میرے کمرے میں صفائی کرتے بستر بچھاتے، کھانا لاتے اور میں کھا چکتا تو پھر خود کھاتے۔ میں نے بارہا منع کیا لیکن اپنی روش پر بضد رہے۔ کبھی کبھار ہمارے ساتھ کبڈی کھیلتے۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ سے الجھ کر بھوک ہڑتال کر دی۔ تو میرے ساتھ خود بھی شریک ہوگئے۔ سپرنٹنڈنٹ نے وجہ دریافت کی۔ تو میرا نام لے دیا کہ آپ انہیں منالیں تو میں بھی ترک کردوں گا۔ کئی دن بھوک ہڑتال جاری رہی۔ اور بھی کچھ دوست شریک ہوگئے۔ جیل والوں نے پانی بند کر دیا، گرمیوں کے دن تھے، حکیم صاحب نے بہتیرا کہا کہ پانی دو لیکن کوئی نہ مانا۔ اور جواب ملا پہلے روٹی کھاؤ پھر پانی ملے گا۔ اس سے حکیم صاحب کی صحت میں بگاڑ پیدا ہوگیا، قے میں خون آنے لگا، کچھ دنوں بعد جیل خانے والوں سے سمجھوتہ ہوگیا۔ اور سب نے بھوک ہڑتال چھوڑدی۔ مگر آپ کی صحت کا ڈھانچہ بگڑ چکا تھا۔ اوپر گورنمنٹ تک رپورٹ گئی کہ مریض لاعلاج ہو چکا ہے جواب آیا کہ

اسے رہا کردو۔ سپرنٹنڈنٹ نے بلا کر کہا آپ معذرت کر دیں تو آپ کو رہائی مل سکتی ہے سخت غصہ میں آگئے اور ڈانٹ پلائی۔ اگلے دن اس نے پھر پیش کش کی، ذرا الفاظ بدل کر کہ میرا مطلب معذرت نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ آپ اگر گورنمنٹ کو اس امر کا یقین دلادیں کہ آپ دوران حالات میں گورنمنٹ کے خلاف کسی تحریک میں حصہ نہیں لیں گے۔ تو آپ کو رہائی مل سکتی ہے۔ حکیم صاحب سپرنٹنڈنٹ کی اس دوبارہ پیش کش سے سخت بگڑے اور تیور بدل کر بولے" براہ کرم اس بکواس کو بند کیجئے۔ میں جس حکومت کی موت کا انتظار کررہا ہوں اس سے کسی قسم کی درخواست کرنا میری ہتک ہے۔" سپرنٹنڈنٹ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ گھر کا یہ حال تھا کہ حالات روز بروز خراب ہوتے گئے۔ سیاسیات کا ذکر ہوتا تو کہہ دیتے میرا پالیٹیکس تو صرف عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ وہ شاہ جی کی گفتار و کردار ہی کو اپنے لئے حرکت و عمل کا معیاری خط سمجھتے تھے۔ ان کے سیاسی عقیدے میں صرف شاہ جی ہی شاہ جی تھے۔ جب آپ کی بیماری بڑھ گئی اور آپ سوکھ کر کانٹا ہوگئے تو میں نے خود زور دیا کہ آپ اپیل کیجئے، کہنے لگے ہرگز نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا، ایک تو سب احرار رہنما جیلوں میں ہیں دوسرا میں انگریز سرکار کو درخواست یا اپیل نہیں کرسکتا۔ یہ احرار کے مزاج کے خلاف ہے۔ میں نے کہا ہم دوستوں کو لکھتے ہیں، مگر برا مانا آخر ہم چپ ہو رہے ہمارے نام دوستوں کے بلاناغہ خطوط آتے۔ کئی قسم کے تحائف پہنچتے مگر حکیم صاحب کا غالباً کوئی دوست نہ تھا، انہیں صرف گھر کے خطوں کا انتظار رہتا۔ وہ بھی مہینے سوا مہینے میں ایک آدھ رجسٹرڈ لفافہ آجاتا۔ آپ اس لفافہ کو بار بار پڑھتے، اپنے بچے کے ہاتھ سے لکھے ہوئے حروف کو چومتے اور خوش ہوتے سب کو دکھاتے کہ دیکھو اس نے "الف" کتنا صحیح لکھا ہے۔ "ب" کس قدر واضح ہے "ج" کا دائرہ کتنا صحیح ہے اور "ح" اور "ھ" میں کتنی وضاحت قائم ہے۔ لیڈر ملنے کے لئے آتے تو ہمیں ٹال کر چلے جاتے آپ انہیں سلام

بھجواتے وہاں سے وعلیکم السلام آجاتا لیکن حکیم صاحب کبھی اس طرح نہ سوچتے کہ مجھ سے کوئی کیوں نہیں ملا؟ ان کی عقیدت کا درجہ ہمیشہ بڑھتا گیا کبھی نہیں گھٹا۔ وہ صحیح معنوں میں بے نفس تھے۔ دن رات قرآن مجید پڑھتے اور پڑھتے چلے جاتے۔ صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ حتیٰ کہ جو ساتھی قرآن مجید نہیں پڑھے ہوتے تھے انہیں قرآن مجید پڑھایا۔ تین برس ختم ہوگئے۔ تو آپ کو منٹگمری جیل سے رہا کر دیا گیا۔ لیڈر رہا ہوتے ہیں تو جیل کے دروازے پر استقبال کی تیاریاں کی جاتی ہیں، عقیدتمند پھولوں کے گجرے اور موتیوں کے ہار لے کر آتے ہیں۔ مگر آپ کی رہائی ایک رضا کار کی رہائی تھی۔ کوئی نہ پہنچا، جیل والوں نے ٹکٹ دیا، لاہور پہنچے دفتر مرکزیہ میں آئے رہنماؤں نے زور سے شاباش کہی۔ شاباش حکیم صاحب! حکیم صاحب اس شاباش سے بے حد خوش ہوئے۔ اور سمجھے کہ قربانی قبول ہوگئی۔ ادھر حالات نے گوشت ہڈیوں سے چپکا دیا تھا۔ اُدھر گھر کے حالات خراب سے خراب تر ہورہے تھے۔ گھر پہنچے تو سب کچھ چوپٹ پایا۔ فاقے ڈیرا جمائے بیٹھے تھے، افلاس کو ان کا گھر راس آگیا تھا۔ حکیم صاحب کی قربانی .... فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔ پیر ہوتے تو جیل بھی لالہ زار ہوجاتا۔ مریدوں کے نذرانے پہنچتے۔ رہا ہوتے تو ہاروں سے گلا لد جاتا، لیڈر ہوتے تو سپاسنامہ پیش ہوتا۔ اور لیڈر صاحب ہا ایں کروفر اپنی قربانی کا راگ چھیڑ دیتے۔ پھر اپنے گرم استقبال سے لیکر اپنی گرم جیب تک کو دیکھتے اور جی میں کہتے۔ ہٰذا من فضل ربی۔ لیکن یہ حکیم غوث محمد تھے۔ رضا کار غوث محمد........ جانے کتنے غوث محمد...... ان لیڈروں کے قصر اقتدار کی نیو کا پتھر ہیں۔ ان کا لہو ان کے زندہ باد کی رنگینی ہے اور ان کی ہڈیاں ان کے عروج کی سیڑھیوں کا گارا۔

(بقیہ از ص ۶۰)

مولانا مشتاق احمد کو صدمہ: چنیوٹ سے ہمارے کرم فرما اور کتاب "تضاداتِ مرزا قادیانی" کے مؤلف مولانا مشتاق احمد کی خالہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں۔
مظفر حسین ادیب مرحوم: گورنمنٹ اصلاح ہائی سکول چنیوٹ کے مدرس جناب مظفر حسین ادیب ۳۱ مئی کو انتقال کر گئے۔ محترم رشید احمد کو صدمہ: مجلسِ احرار اسلام چیچہ وطنی کے انتہائی مخلص کارکن محترم بھائی رشید احمد صاحب کی ہمشیر محترمہ گزشتہ ماہ رحلت فرما گئیں۔ سید رشید احمد شاہ صاحب مرحوم: قائد احرار حضرت سید عطاء المحسن بخاری کے ماموں سید رشید احمد صاحب گزشتہ ماہ لاہور میں انتقال کر گئے۔ مجلس احرار اسلام بہاولنگر کے ناظم محترم حکیم نذیر احمد اجمیری کی اہلیہ انتقال فرما گئیں۔ مجلسِ احرار اسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ کے صدر حافظ محمد اسمٰعیل کے ماموں زاد بھائی ماسٹر حفیظ الرحمن صاحب ۲۵ مئی کو ٹریفک کے حادثہ میں انتقال کر گئے۔ اور ۱۲ جون کو حافظ صاحب کے بہنوئی چودھری نور محی الدین انتقال کر گئے۔
دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں۔ آمین۔ ادارہ نقیب ختم نبوت کے تمام ارکان و معاونین ان سب بزرگوں کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعا گو اور ان کے جملہ منتسبین و متعلقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

زبان میری ہے بات ان کی

- 73ء کے آئین پر دستخط کرنے والے 80 فیصد انگوٹھا چھاپ تھے۔(سلطان عالم)

کمال ہے، انگوٹھا چھاپ ہونے کے باوجود "دستخط" کر دیئے؟

- اپنی عزت کی خاطر خاموش ہیں۔(زیبا بختیار)

کون سی عزت!

- مساجد میں اردو خطبہ پر پابندی (شہباز شریف)

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سینما، تھیٹرہال، آرٹ کونسلوں، کنجرخانوں، چوکوں، چوراہوں، بسوں، اور ویگنوں میں لاؤڈ سپیکر پر فحش گانے جبراً سنانے پر کوئی پابندی۔

- دعا ہے کہ ملتان میں بھی "خبریں" کامیاب و کامران ٹھہرے! (مجید نظامی)

باقی میرے دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔

- آئندہ میں وزیر اعظم نہیں بنوں گی۔(بے نظیر)

تو بولو جی، کیا بننا پسند کرو گی؟

- طالبان خواتین کی ترقی کے مخالف نہیں ہیں (عابدہ حسین)

ایک دفعہ افغانستان کا چکر تو لگائیں "لام کا فر" نہ یاد آجائے تو!

- "شاید پائے نہیں گلے" شیخ رشید کی شہباز شریف سے ملاقات نہ ہو سکی۔(ایک خبر)

چار شینیں اکٹھی ہوئی ہیں۔ اللہ خیر کرے!

- لغاری اکڑ گیا۔ پوچھا تو جواب دیا "آپ میری بہن ہیں" (بے نظیر)

بھائی بہن کے درمیان کرسی حائل ہو گئی۔

- انگریزی اداروں کے تعلیم یافتہ افراد نے ملک لوٹا (حمید گل)

کالے انگریزوں سے نجات کا واحد راستہ انقلاب ہے!

- پاکستان کی اکثریت کو گولڈن جوبلی منانے کا کوئی حق نہیں (ایمنٹی انٹرنیشنل)

یہ حق صرف پچاس سال تک ملک لوٹنے والے حکمرانوں کو ہی حاصل ہے۔

- سیلاب کے لئے منگوائی گئی کشتی کھرنے قابو کر لی (ایک خبر)

کشتی کیا چیز ہے؟ ان سے تو کسی عزت محفوظ نہیں

- لوگ انصاف کے انتظار میں قبروں میں چلے جاتے ہیں (نواز شریف)

ور آپ اختیار کے باوجود کچھ نہیں کر رہے۔

- دشمن کو پندرہ منٹ میں تباہ کر سکتے ہیں (ڈاکٹر قدیر)

اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کرے!

○ درخت کے جھگڑے پر باپ اور دو بیٹوں سمیت چار افراد قتل۔ (ایک خبر)

اور درخت وہیں کھڑا ہے۔ واہ رے مہذب معاشرہ!

○ مومنوں کا قافلہ وقت کے یزیدوں سے کوئی مطالبہ نہیں کیا کرتا۔ (بے نظیر)

مومنین توجہ! شمر ذوالجوشن کی اولاد کروٹ لے رہی ہے۔

○ جب بھی مشکل آتی ہے۔ داتا دربار چلا جاتا ہوں (چیف سیکرٹری پرویز مسعود)

لیکن آپ کا نام تو اس بدبخت کے نام پر ہے جس نے رسول پاک ﷺ کا خط پھاڑا تھا۔

○ ہم بھارت کے مداح ہیں۔ (رابن رافیل)

کافر، کافر کا ہی مداح ہو سکتا ہے۔

○ حکومت آصف زرداری کو بیمار تسلیم نہیں کرتی (حاکم علی زرداری)

حالانکہ یہ بہت موذی بیماری ہے۔

○ رنڈیوں اور کنجریوں کی سرپرستی کرنے والی حکومت تباہ ہو جاتی ہے۔ (سمیع الحق)

آپ کا فرمانا بجا مگر...... کفریہ نظام جمہوریت کا حصہ بننے والے علماء بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔

○ ایک وزیر کے لئے دو لاکھ اڑتیس ہزار روپے ماہانہ خرچ ہوتے ہیں۔ (ایک خبر)

لوٹ مار چھین شاد باد

○ ہائی کورٹ کے سابق جسٹس عبدالعزیز بھٹی کی اہلیہ نان نفقہ لینے سپریم کورٹ پہنچ گئی۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

○ بے نظیر دور میں وزیراعظم ہاؤس کے لئے صرف ایک لاکھ ڈالر کا فانوس خریدا گیا۔ (ایک خبر)

کہ اس کی روشنی میں غریبوں کا مقدر بدلا جا سکے!

○ "رکن اسمبلی ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ"؟... حضور اکرم ﷺ بھی امی تھے (حنیف رامے)

کہاں پاکستان کا بدمعاش، اچکا، اٹھائی گیر، زانی شرابی، مفقود النسب رکن اسمبلی اور کہاں حضور ﷺ!

خبیث رامے، رذیل رامے، خفیف رامے، ذلیل رامے!

○ کذاب یوسف علی کو جو لڑکی پسند آتی اس کے شوہر کو کہتا اسے طلاق دے دو یہ میری روحانی بیوی ہے۔ (ایک خبر)

مگر حکومت اسے مسلسل تحفظ دے رہی ہے۔

○ میرے ساتھ دس فیصد دھوکہ ہو جاتا ہے۔ (بے نظیر)

آپ اور دھوکہ۔ یک جان و یک قالب

*

حسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

ذ۔ بخاری

ماہ فضل و کمال

کسی طویل شخصی خاکے، میں کسی مبسوط شخصی مطالعے میں یا کسی شخصیت کے مفصل تذکرے میں قاری کی دلچسپی مختلف اسباب سے ہوتی ہے۔ اسلوب تحریر سے یا سوانحی تفصیلات سے یا ان دونوں سے ہی عموماً یہ اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ میرے پیش نظر بھی اس وقت ایک سوانحی مجموعہ ہے اور یہ حضرت مولانا فضل محمد رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔ جناب شاہ ابن مسعود قریشی (مؤلف کا قلمی نام ہے) نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں، واقعہ میں خاصی محنت سے کام لیا ہے۔

مولانا فضل محمد رحمۃ اللہ علیہ عالم دین بھی تھے اور معلم دین بھی۔ لیکن وہ جو کچھ لوگوں کو "ماہر تعلیم" سمجھا جاتا ہے تو میرے نزدیک مولانا فضل محمد اوّل و آخر وہی تھے۔ ۱۹۳۸ء کے آغاز میں مولانا نے بہاول نگر ایسے غیر تعلیمی علاقہ کی ایک انتہائی بے آباد "بستی" فقیر والی میں مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ کا دارالعلوم دیوبند سے الحاق کیا۔ اور پھر تا بحد امکان اس ادارے کو دارالعلوم دیوبند کا مثیل بنانے میں دن رات ایک کر دیا۔ ریگستان میں نخلستان اور جنگل میں منگل ہو گیا۔ کہاں دیوبند اور کہاں بہاول نگر بلکہ فقیر والی! لیکن مدرسین بھی اور ممتحنین بھی، دیوبند سے فقیر والی آیا کئے۔ ایک دیوبند کیا، متحدہ ہندوستان کے اعاظم رجال دین نے اس علاقے کو رونق بخشی۔ صحیح عقائد کی روشنی اور صالح اعمال کی خوشبو پھیلتی چلی گئی۔ یہ سارا فیضان مولانا فضل محمد کے خلوصِ نیت، ہمت عمل اور قوت کار کا تھا۔ سچی وارفتگی اور سچی لگن کی یہ داستان چالیس برس سے زائد عرصے کو محیط ہے اور اس قابل ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور ضرور پڑھا جائے ہمارے دینی حلقوں میں صبر و توکل اور عزیمت و مجاہدہ کا تذکرہ بہت رہتا ہے اور تلقین بہت زیادہ لیکن معلمین و مدرسین اور منتظمین و ناظمین ہوں یا واعظین و مقررین اور مبلغین و مصلحین، عام مشاہدہ یہی ہے قال اور حال ایک نہیں ہو پاتے.....

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر!

مولانا فضل محمد کی شخصیت اس اعتبار سے مثالی ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ دینی مدارس کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی جو باتیں آج سے پچاس سال قبل حضرت مولانا مرحوم نے کی اور جس بصیرت اور بیدار مغزی کے ساتھ کی اس کا خیال کیجئے تو مولانا کی عظمت کا نقش دل و دماغ پر اور گہرا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مناظر احسن گیلانی، مفتی محمد شفیع، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد میاں، مولانا عبدالرحمن کامل پوری، مولانا اعزاز علی، مولانا فاروق احمد، مولانا محمد صادق، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد منظور نعمانی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مد ظلہم) نے جو خط و کتابت کی وہ بلاشبہ ایک یادگار کوشش ہے۔ یہ ساری خط و کتابت اس کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے نام ..... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی، مفتی محمد شفیع، قاری محمد طیب، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا حفظ الرحمن سیدہاروی، مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری، مولانا سیاح الدین کاکا خیل، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا عبدالکریم کمتھلی، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا احتشام الحق تھانوی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری (قدس اللہ اسرارہم) شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ اور برکتہ العصر مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ کے مکاتیب گرامی کا ایک بہت قیمتی ذخیرہ بھی اس کتاب میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ معلومات و مباحث اور نکات و آراء کے تنوع سے بھرپور کتاب کا ہر گوشہ تبرکات اور نوادرات کا خزینہ ہے۔ اکابر کے خطوط، ان کے اپنے سواد خط میں پڑھ کر مؤلف کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

کتاب کی ضخامت ۵۰۴ صفحات، کتابت طباعت مناسب اور قیمت ایک سو پچھتر روپے ہے۔ اسے القاسم اکیڈمی ۲۸۵ جی ٹی روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

رحمت کائنات

جنوری ۱۹۹۷ء میں جب یہ کتاب نویں بار طبع ہوئی تو مؤلف گرامی..... قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب گرامی کے ساتھ ادارہ نقیب ختم نبوت کو ارسال کی۔

کتاب کا موضوع عقیدۂ حیات النبی ﷺ ہے۔ اس موضوع پر تعبیر اور تحقیق کے اختلاف کی گنجائش تو موجود رہی ہے۔ لیکن اختلاف اصول پر نہیں فروع پر رہا ہے۔ اصول و عقائد کے جس اجماعی نظام کے وابستگان کو اہل سنت والجماعت (احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ، اہل حدیث) کہلاتے ہیں، ان کے ہاں حیات النبی ﷺ کا انکار بالکل روا نہیں۔

قاضی زاہد الحسینی صاحب علیہ الرحمۃ نے انکار حیات النبی ﷺ پر مبنی "موحدانہ مساعی" کا خوب خوب محاسبہ کیا ہے۔ ان کے دلائل عقلی بھی ہیں اور نقلی بھی لیکن ان کا انداز مناظرانہ نہیں ناصحانہ ہے۔ یہ انداز دل میں اتر جانے والا ہے۔ کتاب کے مضمون کا خلاصہ قاضی صاحب کے اپنے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ موت فنا کا نام نہیں بلکہ ہر مرنے والا دوسری زندگی میں ہو جاتا ہے جس کا نام برزخ (پردہ) ہے۔ یعنی وہ زندہ لوگوں کو نظر نہیں آتا مگر زندہ ہوتا ہے، جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹ میں فرمایا کہ..... "شہید زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھ سکتے۔"

۲۔ "عام انسان اسی برزخ میں قیامت تک رہیں گے" (المومنون نمبر ۱۰۰) مگر بعض سعادتمند ادھر فوت ہوئے ادھر جنت میں چلے گئے جیسا کہ سورۃ یٰس کی آیت نمبر ۲۶ میں ایک سعادت مند کا ذکر ہے کہ اسے اسی وقت جنت میں داخل کر دیا گیا اور بعض بدبخت سیدھے دوزخ میں چلے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم، ادھر ڈوبی اور اُدھر آگ میں داخل کر دی گئی۔ (سورۃ نوح نمبر ۲۵)

۳- عام انسانوں کے یہ دنیاوی بدن گل جاتے ہیں، ہڈیاں ہو جاتے ہیں یا بعض بد بخت جلا کر راکھ بنا دیئے جاتے ہیں مگر ان کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے تاکہ عذاب و ثواب کو محسوس کر سکیں۔

۴- بعض سعاد تمندوں کے یہ بدن سلامت رہتے ہیں اور روح کا تعلق ان کے ساتھ رہتا ہے۔ تاکہ جنت میں ملنے والی نعمتوں کا لطف اٹھائیں، سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

۵- تمام انبیاء علیہم السلام کے بدن اسی طرح سلامت ہیں اور ان کے روح کا تعلق بہت زیادہ قوی ان کے ساتھ ہے، ان پر سلام کہنا ضروری ہے اور ان کو زندہ سمجھنا ضروری ہے۔

۶- امام الانبیاء ﷺ روضہ اقدس میں آج بھی زندہ ہیں آپ کو آج بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا رسول ماننا ضروری ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے ضروری تھا، کلمہ طیبہ..... لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ..... کا معنی آج بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ہر مؤذن آپ کی رسالت کی شہادت دے کر گویا یہ اعلان کرتا ہے آپ آج بھی رسول ہیں۔

۷- ہر اس مسلمان کے لیے جو طاقت رکھتا ہو یہ واجب ہے کہ مدینہ منورہ جا کر روضۂ اقدس کی زیارت کرے۔

۸- جو سعادتمند روضۂ اقدس کے پاس آپ پر سلام پڑھتا ہے، حضور انور ﷺ خود سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ جسے بعض سعادتمند سن بھی لیتے ہیں۔

۹- آپ پر درود شریف پڑھنا آپ کے ساتھ محبت کی علامت ہے۔ جہاں بھی کوئی درود شریف پڑھتا ہے اس کے نام کے ساتھ خدمت اقدس میں فوراً پہنچا دیا جاتا ہے اور اسے قیامت میں آپ کا قرب حاصل ہوگا۔

۱۰- جس خوش بخت کو سید دو عالم ﷺ کی زیارت خواب میں یا عالم مثال میں ہو جائے وہ یقین کرے کہ اسے آپ ہی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اور جو آپ فرمائیں اسے حق سمجھے

واللہ الموفق یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

کتاب کی ضخامت ۴۰۰ صفحات، مجلد نسخے کی قیمت ۱۵۰ روپے اور غیر مجلد نسخے کی قیمت ۱۰۰ روپے ملنے کا پتہ دارالارشاد، مدنی روڈ، اٹک شہر ہے۔

اپنے عطیات اور زکوٰۃ و صدقات مدرسہ معمورہ ملتان

کو عنایت فرمائیں مدرسہ میں رہائش پذیر طلباء کے اخراجات اور نئی درسگاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر کے لئے اہل خیر حضرات فوراً توجہ فرمائیں

ترسیلِ زر کا پتہ

بذریعہ منی آرڈر:۔ سید عطاء المحسن بخاری۔ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون: 511961

بذریعہ بنک:۔ اکاؤنٹ نمبر 29932، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان

تجزیہ

○

محترم عبدالواحد بیگ ملتان

دو قومی نظریہ...... آغاز اور انجام

اللہ تعالیٰ کا دین کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں وغیرہ کو دولتِ ایمان سے نوازے اور ان سے اپنے دین کی خدمت لے۔ اس دور میں مسلمان تو ہر جگہ تفرقہ بازی اور باہمی منافرت کا شکار ہیں۔ گھر گھر میں لڑائی۔ عدم اعتماد اور بے چینی ہے۔ بے حیائی، فحاشی، بے دینی، راگ رنگ اور کھیل تماشے تو اخلاقی تباہی کے نقطۂ عروج کو چھو رہے ہیں۔ بعض روحانیت کے علمبردار شیطانیت کے پرستار بن گئے ہیں۔ گویا "مسلمان در گور اور مسلمانی در کتاب" ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہے۔

الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی، ڈش اور فلمی کلچر نے دولت کی فراوانی کے بل بوتے اکثریت کو اندھا کر رکھا ہے۔ حلال و حرام کی تمیز ختم ہوتی جا رہی ہے۔ بے حیائی اور اخلاقی گراوٹ کا ہر شخص رونا روتا ہے۔ خانگی اور کاروباری زندگی تباہ، سکون ختم۔ خود غرضی، لوٹ کھسوٹ اور لالچ کا دور دورہ ہے۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ملک تقسیم ہوا۔ ہندو اور مسلمان صرف دو قومیں۔ مگر آج کئی مستقل قومیں بن گئی ہیں۔ سندھی، ہندو، بلوچی، پٹھان، پنجابی، سنی، شیعہ، مرزائی، آغا خانی، ایم کیو ایم، مقامی، مہاجر، تاجر، صنعتکار اور مزدور وغیرہ...... یعنی قوم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ انسانی ہمدردی، اسلامی اخوت، سب پارٹی بازی کا نشان اور اپنی اپنی پہچان کا الگ الگ نعرہ لگا رہے ہیں۔ بھٹوازم، سیکیولرازم اور فاشزم خوب پھل پھول رہے ہیں۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

بنیادی قومی نعرہ..... پاکستان کا مطلب کیا؟ بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم کے ساتھ اسلامی سوشلزم بھی خاموش ہو چکا ہے۔ ایک دیوار پر نمایاں حروف میں تحریر ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑے شوق سے نکلا تھا وطن سے
پردیس وہ آج غریب الغرباء ہے!

آج زندگی کے ہر شعبہ میں امریکہ کی غلامی کا پھندا بتدریج تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان کا ہر شہری محتاج اور مقروض ہے۔ مبیّنہ طور پر نہایت ڈھٹائی کے ساتھ ملک کے ٹکڑے فروخت ہو رہے ہیں۔ نبی

کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو قوم بدعہد ہو جاتی ہے اس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے"۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، کہ جانے والا گورا انگریز اپنے مشن میں کامیاب ہے۔ مسلمانوں کو سیاسی تقسیم کی مار دے کر مفلوج کر گیا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے سچ کہا تھا "تم نے انگریز کی تقسیم پر اعتماد کیا۔ یاد رکھو! صرف ملک ہی تقسیم نہیں ہوگا، قوم بھی تقسیم ہوگی۔ اس نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اور جاتے ہوئے مسلمانوں کو ہی تین حصوں میں تقسیم کر گیا۔ یہ قوم لسانی، گروہی اور مذہبی تقسیم کا شکار ہو جائے گی" آج کروڑوں مسلمان بھارت میں ہندو بنئے کے مظالم کا شکار ہیں۔ اور کروڑوں ہی آزاد بنگلہ دیش میں انتہائی ناعاقبت اندیش عورت کی غیر شرعی حکمرانی میں شرمسار و گنہگار ہیں۔ مملکتِ خداداد پاکستان کے باسیوں کی حالت بھی دیدنی ہے۔ کہ.......

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

مفاد پرست سیاسی ملا اپنے گریبان میں جھانکیں۔ اقبال نے ٹھیک ہی تو کہا تھا!

افرنگ نے تو سکھا دی ہے مجھے زندیقی
اس دور کے ملاں ہیں کیوں ننگ مسلمانی؟

اور بقول کسے!

غیر ممکن ہے کہ حالات کی گتھی سلجھے
اہل مغرب نے بہت سوچ کے الجھائی ہے

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان سو فیصد سچ اور حق ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو کسی عورت کو اپنا حاکم بنا لے۔ تجربہ شاہد ہے کہ پاکستان میں پچاس سالہ نام نہاد جمہوریت اور آزادی، غلامی کے بدترین اور منحوس دور کی عکاس ہے۔ دنیا و آخرت میں خسارہ اور بربادی کی آئینہ دار ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

(پروفیسر محمد اکرام تائب)

نہ ضد کر اب کسی بارات میں جانے کی اے بیگم
وہ ٹرخا دیں گے اک پیپسی پہ اور فاقوں مریں گے ہم
بہانہ کر کے بیماری کا دے دو تار تم ان کو
ملا نہ جب وہاں مرغا تو جا کر کیا کریں گے ہم

ملا دفتر میں تو کہنے لگا تم پھر کبھی آنا
ابھی تو کام برسوں کا پڑا ہے میز پر باقی
تھمایا ہاتھ میں جب نوٹ تو کہنے لگا ہنس کر
"ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی"

ترجمہ ادارہ

مسافرانِ عدم

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا محمد یعقوب شمسی رحمہ اللہ:

مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما مولانا محمد اسحٰق سلیمی کے چھوٹے بھائی مولانا محمد یعقوب شمسی ۲۵ جون کو بورے والا میں انتقال کرگئے ۔ مرحوم بہت ہی زندہ دِل انسان تھے۔ ہمیشہ مجلس احرار اسلام کے معاون رہے۔ خاندان امیر شریعت سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ ۲۶ جون کو مولانا محمد اسحٰق سلیمی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی جن میں علماء اور طلباء کی بھی کثیر تعداد شامل تھی۔

جناب حاجی محمد شریف صاحب مرحوم:

مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن محترم محمد یوسف باوا، حفیظ احمد صاحب کے چچا اور محترم محمد سجاد صاحب، محمد عامر صاحب کے والد ماجد حاجی محمد شریف صاحب طویل علالت کے بعد ۲۳ جون کو ملتان میں رحلت فرماگئے۔

مولوی نعیم اللہ صاحب رحمہ اللہ:

ہمارے دیرینہ کرم فرما اور مہربان مولوی نعیم اللہ صاحب (بستی مولویاں رحیم یار خان) گزشتہ ماہ انتقال کرگئے۔ مرحوم اپنے علاقہ کے معروف عالم دین تھے اور ہمارے ادارہ کے خاص معاون تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ:

مدرسہ عربیہ دارالعلوم کلور کوٹ (بھکر) کے ناظم قاضی مسعودالحسن صاحب کے والد ماجد مولانا عبدالرحمٰن ۲۰ شوال ۱۴۱۷ء مطابق ۲۸ فروری ۱۹۹۷ بروز جمعہ انتقال فرماگئے۔ مرحوم، مظاہرالعلوم سہارنپور کے فاضل تھے۔ ۱۹۴۰ء میں مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہوئے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ محبت تھی۔ تمام عمر اشاعت دین میں مصروف رہے۔ توحید وسنت کی تبلیغ، عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ، مدح صحابہ اور اصلاح معاشرہ ان کے خاص موضوعات تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں پرجوش کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ تہذیبِ افرنگ کے دو اہم محاذوں بے حیائی اور عریانی کے خلاف پوری قوت سے جہاد کیا۔ اپنے شہر میں دو دینی مدرسوں کا اجراء کیا۔ نہایت اعلیٰ مدرس تھے۔ ابتداء میں مدرسہ سراج العلوم سرگودھا اور پھر خانقاہ سراجیہ میں مدرس رہے۔ روحانی تعلق حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہ سراجیہ کندیاں) سے تھا۔ بعد میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے۔ ان کے انتقال سے حلقۂ علماء میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مرحوم کی نماز جنازہ ان کے بڑے فرزند نے پڑھائی، نماز جنازہ میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے

(بقیہ ص ۵۲ پر)

نعت

حسن دائم ہے تیرا نقش حیات
عشق سے روشن جہانِ شش جہات

ہے تسلسل جہد کا دنیا و دیں
نظم طاعت سے نظام کائنات

آفتاب اس کا ابھرنا اور غروب
اس میں راز ارتقاء سوزِ حیات

ہائے حسرت تو الجھ کے رہ گیا
شک و ریب اور گتھیاں تیری حیات

ہیں رسول ہاشمی رازِ حیات
حق الیقیں، عین الیقیں ان کی حیات

سید عطاء المحسن بخاری

*

نعت

سید کاشف گیلانی

کمالِ حسن میں حسنِ کمال تجھ جیسا
کہاں سے لائے کوئی خوش خیال تجھ جیسا

ترے دیار پہ سر شاہ بھی جھکاتے ہیں
کسے نصیب ہے جاہ و جلال تجھ جیسا

ہوا وہ تیرا جو اک بار تیرے پاس آیا
کہیں ملا نہ اسے خوش خصال تجھ جیسا

تجھے بنا کے قسم اپنی ذات کی کھالی
بنائے گا نہ کوئی ذوالجلال تجھ جیسا

لہو لہو ہو بدن لب پہ ہو پیامِ خلوص
کوئی دکھائے نبی بے مثال تجھ جیسا

خدا نے ختم نبوت کا تاج پہنا کر
کسی بھی ماں کو دیا پھر نہ لال تجھ جیسا

میں مانتا ہوں بہت خوب رو تھے یوسف بھی
مگر ملا نہ کسی کو جمال تجھ جیسا

تمام دہر کے سارے ادیب مل کر بھی
کہاں سے لائیں گے حسنِ خیال تجھ جیسا

بروز حشر تو کاشف کچھ ایسا مانگ ان سے
نہ کرسکے کوئی ان سے سوال تجھ جیسا

احرار کارکنوں سے خطاب

پروفیسر خالد شبیراحمد

ہزار جورو ستم کے ہوتے بھی اپنا چہرا گلاب رکھنا
اندھیرے سارے سمیٹ لینا، قدم قدم آفتاب رکھنا

خزاں رسیدہ بہار میں بھی نہ تلملانا سکوں میں رہنا
ضعیف ہاتھوں پہ عزمِ نو کی بہار کا ماہتاب رکھنا

زمیں کی خاطر فلک پہ سارے ہیں جتنے تارے اتار لینا
ہر ایک دستِ سوال پر کوئی خوبصورت جواب رکھنا

مہیب راتوں میں ہولے ہولے، سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانا
لہو سے اپنے دیا جلا کے جُنوں کے روشن نصاب رکھنا

تم اپنے اندر کی وسعتوں سے سنوار لینا بگاڑ اپنا
ہوس کی ساری خباثتوں سے بچا کے اپنا شباب رکھنا

مسافتوں کے کٹھن مراحل میں تھامے رکھنا خودی کی مشعل
کدورتوں کی تپش سے ہر دم بچا کے دل کی کتاب رکھنا

جہاں میں ہر سُو ہی پھیل جانا محبتوں کا اٹھائے پرچم
مگر کبھی بھی نہ دل میں اپنے نوازشوں کا حساب رکھنا

ہے کیا ضروری کہ ہر تمنا ہی دل کی پوری ہو اس جہاں میں
روانیوں پہ اب آنسوؤں کی نہ خواہشوں کے حساب رکھنا

ہر ایک مشکل میں ابتلاء میں عزائم اپنے بلند رکھنا
تم اپنی ٹھوکر پہ ہر طرح کا عذاب رکھنا عتاب رکھنا

وہ جن عقائد کی عظمتوں سے بندھا ہوا ہے تمہارا دامن
انہی عقائد کا اپنے سر پر سُرور آور سحاب رکھنا

سخن کو اپنے سکھائے رکھنا کمالِ حسنِ سخن نوازی
خود اپنی دنیا سے دور لیکن نظر کا اپنی سراب رکھنا

وہ جس کی خاطر چلے تھے گھر سے اسی پہ اپنی نگاہ رکھنا
جہاں ہے خالد وفا کی منزل نظر میں اپنے وہ خواب رکھنا

راحت ملک

قاضی حسین احمد کے نام

احتساب احتساب کرتے ہو — قوم کیا احتساب مانگتی ہے؟
یہ ہماری ہے آرزو ورنہ — قوم کب انقلاب مانگتی ہے؟
کتنی نادان، کتنی سادہ ہے — نیند میں ماہتاب مانگتی ہے
زہر کھاتی ہے زندگی کے لئے — خار بو کر گلاب مانگتی ہے
نام لیتی ہے رب کعبہ کا — اور چنگ و رباب مانگتی ہے
ادّعا نیکیوں کا کرتی ہے — معصیت کی کتاب مانگتی ہے
گیت کردار کے سناتی ہے — لغزشِ بے حساب مانگتی ہے
پہلے عصیاں اور اس کے بعد نماز — ہر گنہ کا ثواب مانگتی ہے
رحمتِ ایزدی کی داعی ہے — اور عملاً عذاب مانگتی ہے
رہبرِ درد کی نہیں طالب — راہزن کامیاب مانگتی ہے
اپنا دامن چھپا کے رکھتی ہے — دوسروں سے حساب مانگتی ہے
کیا عجب قوم ہے کہ اپنے سمیت — سب کا خانہ خراب مانگتی ہے

ثاقب چوہان (بستی مولویاں)

غزل

کہ اب مومن کو دنیا میں دبا کوئی نہیں سکتا — خدا کی راہ سے اس کو ہٹا کوئی نہیں سکتا
یہ دنیا ایسی دنیا ہے جہاں باطل ہی مٹتا ہے — یہاں باطل کو مٹنے سے بچا کوئی نہیں سکتا
تم ہی مٹ جاؤ گے اک دن گروہِ باطلاں سن لو — جہاں میں حق پرستوں کو مٹا کوئی نہیں سکتا
جو راہِ حق پہ مر جائیں سدا زندہ وہ رہتے ہیں — جہاں میں ایسے بندوں کو بھلا کوئی نہیں سکتا
اگرچہ سب یہ کہتے ہیں حقیقت جانتے ہیں ہم — حقیقت کی حقیقت کو بتا کوئی نہیں سکتا
رہے بیزار دنیا سے یہاں اہلِ جنوں ہر دم — انہیں آداب دنیا کے سکھا کوئی نہیں سکتا
ہمارے قد سے اونچی ہے رسائی ہو تو کیسے ہو — یہ زنجیر عدل اب تو ہلا کوئی نہیں سکتا
یہ ہم تسلیم کرتے ہیں نہیں ہیں پارسا ہم بھی — برائی سے یہاں دامن بچا کوئی نہیں سکتا
لحد میں جو بھی جاتا ہے کبھی واپس نہیں آتا — وہاں کا حال لوگوں کو بتا کوئی نہیں سکتا
چلے گر تیز آندھی بھی سدا روشن رہیں گے یہ — دیئے توحید کے ثاقب بجھا کوئی نہیں سکتا

علمی ادبی
تاریخی نایاب
شاہکار کتابیں
پاکستان میں
پہلی بار طبع
ہوچکی
ہیں

سواطع الالہام (عربی)

از
علامہ
ابوالفیض فیضی

کہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ یہ کتاب نایاب ہوتی جا رہی تھی

قرآن پاک کی تفاسیر میں ایک منفرد مقام رکھنے والی تفسیر، فکر انسانی کی معراج کی عملی تصویر، دنیائے علم و ادب کا بے مثل و غیر منقوط شاہکار، انشاء و تحریر کا ایسا مرقع جس کی نظیر آج تک نہیں لکھی گئی ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ ہوچکا ہے

کامل
دو جلد
قیمت
-/۶۹۰

نیز اس کی تالیف میں علامہ فیضی نے حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے اساتذہ و معاصرین سے بھی اکتساب فیض کیا

ھندوپاک کی نابغۂ عصر نادرۂ روزگار چار ھزار سے زائد ھستیوں کی شخصیت کا دلآویز مرقع

نزہۃ الخواطر (عربی)

مرتب و جامع:-
محقق عصر حضرۃ علامہ مولانا عبدالحی لکھنوی رح
(والد ماجد حضرۃ مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ)

کامل ۸ جلد
اعلیٰ کاغذ
-/۱۵۹۰

(ارباب علم و ادب، اصحاب تصنیف و تالیف، (فن تاریخ و سیر ... محبت ... ایک نادر تاریخی دستاویز

نسیم الریاض	فی شرح الشفا قاضی عیاض کامل چار جلد -/۱۲۴۵
المواھب اللدنیہ	علی الشمائل المحمدیۃ ۶ مجلد -/۱۸۰
لسان المیزان	فی اسماء الرجال علامہ ابن حجر ۷ جلد -/۱۲۲۵
السنن الکبریٰ	البیہقی مع الجوھر النقی کامل ۱۰ جلد -/۲۱۰۰
اوجز المسالک	شرح مؤطا مالک کامل ۱۵ جلد -/۲۱۵۰
امانی الاحبار	فی شرح معانی الآثار کامل ۳ جلد -/۹۰
تفسیر بغوی	معالم التنزیل کامل چار جلد -/۱۰۵۰

مکمل فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

دانت دُرست "تَن" دُرست

دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحّت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دارومدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گرجائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذتوں سے لُطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دارچینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت منداور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

مسواک کے قدرتی خواص، صحّتِ دنداں کی مضبوط اَساس

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ

Adarts-HMPT-22/95

انیسویں سالانہ دوروزہ ۱۱، ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۸ھ

سیرت
خاتم الانبیاء ﷺ کانفرنس
جامع مسجد احرار، ربوہ

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم (خانقاہ سراجیہ، کندیاں)

(امیر کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان)

زیرِ صدارت: قائدِ احرار، ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ

(مدیر وفاق المدارس الاحرار پاکستان)

جس میں ملک وملت کے اصحابِ فکر و دانش، علماء اہل قلم، وکلاء اور طلباء خطاب کریں گے

جلوس: حسبِ سابق ۱۲ ربیع الاوّل کو بعد نماز ظہر فدائینِ احرار کا فقید المثال جلوس مسجدِ احرار سے روانہ ہوگا۔ دورانِ جلوس زعماء احرار بصیرت افروز خطاب فرمائیں گے

پروگرام:
۱۱ ربیع الاوّل پہلی نشست بعد از نماز ظہر دوسری نشست بعد از مغرب
۱۲ ربیع الاوّل درس قرآن کریم: بعد از فجر تقاریر ۱۰ بجے صبح

منجانب:

تحریک تحفظ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرار اسلام پاکستان

رابطہ فون: ربوہ: 211523، ملتان: 511961، لاہور: 7560450، گوجرانوالہ: 214800، چیچہ وطنی: 611657